فاران اکیڈمی
قذافی سٹریٹ ۱۷۔ اُردو بازار
لاہور، پاکستان

اہلِ حدیث کانفرنس ماموں کانجن

میں

حضرت مولانا پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

کا

فاران اکیڈمی

قذافی سٹریٹ ◎ ۱۰، اردو بازار لاہور

جملہ حقوق محفوظ

قاسم محمود

فاران اکیڈمی ۱۷۔ اردو بازار لاہور نے

باجازت ورثائے سید ابوبکر غزنوی مرحوم شائع کی

اشاعت ثانی : جولائی ۱۹۹۵

تعداد اشاعت: ۶۰۰

قیمت :

یہ تقریر ماموں کانجن کی
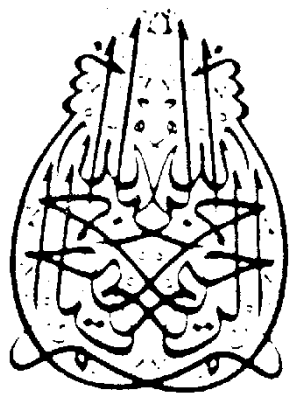
اہل حدیث کانفرنس منعقدہ

اکتوبر ۱۹۷۵ء میں کی گئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ ونؤمن
بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا
ومن سیئات اعمالنا۔ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ
ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ
ونشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ
اللّٰھم صلّ وسلم علیٰ سیّدنا محمدِنِ النّبیّ الامی
افضل صلواتک وازکیٰ برکاتک کلما ذکرہ الذاکرون
وغفل عن ذکرہٖ الغافلون عدد خلقک ورضا
نفسک وزینۃ عرشک ومداد کلماتک صلوۃ دائمۃ
بدوامک صلوۃً کما تحبّ وترضیٰ لہ

بزرگانِ کرام، برادرانِ عزیز، عزیزانِ گرامی قدر!

پھر وضع احتیاط سے رُکنے لگا ہے دم

برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

آپ سے مُلاقات کیے ہوئے اور آپ سے بات کیے ہوئے ایک مُدت ہوگئی۔

جسے آپ گنتے تھے آشنا، جسے آپ کہتے تھے باوفا

مَیں وہی ہُوں مومنِ مبتلا، نہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

حضرات! جب میں یہ خیال کرتا ہُوں کہ یہ وہ جماعت ہے جس کی سرزمین گو آج بنجر ہوچکی ہے، مگر یہ وہی سرزمین ہے جس سے کبھی مولانا حافظ محمد لکھوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابراہیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے لعل اور یاقوت و گہر پیدا ہوئے تو یہ سوچ کر کہ شاید اس راکھ میں کوئی چنگاری باقی ہو، یہ شعر پڑھتا ہوا تمہاری طرف کشاں کشاں چلا آتا ہوں ؎

اری تحت الرماد ومیض جمر

ویوشک ان یکون لها ضرام

(خاکستر کے نیچے کچھ چنگاریاں دیکھ رہا ہوں، شاید ان سے شعلے بھڑک اٹھیں)

اور جب یہ آگ جلتی تھی، تو اسے تاپنے کے لیے حرارتِ ایمانی حاصل

کرنے کے لیے لوگ پورب اور پچھم سے آتے تھے۔ جب آپ لوگوں کی اٹھا پٹخنی، دھینگا مُشتی اور سر پھٹول دیکھتا ہُوں تو جی جلتا ہے۔ ہر طرف خاک اڑائی جا رہی ہے۔ اتنی خاک کہ سب کے سروں پہ خاک پڑی ہوئی ہے، سب کے چہرے خاک سے یُوں لتھڑے ہُوئے ہیں کہ میرے لیے شکلیں پہچاننی بھی مُشکل ہو گئی ہیں۔ جب یہ صُورتِ حال دیکھتا ہوں، تو آپ لوگوں سے بھاگ جاتا ہوں اور سالہاسال آپ سے رُوپوش رہتا ہوں اور یہ شعر اُن دنوں پڑھا کرتا ہوں۔

ونارٌ لو نفخت بها اضاءت

ولکن انت تنفخ فی الرماد

یہ راکھ جس میں تم پھونکیں مار رہے ہو، اگر اس میں کوئی چنگاری ہوتی، تو وہ یقیناً بھڑک اُٹھتی، مگر تم تو راکھ میں پھُونکیں مار رہے ہو۔ راکھ میں پھُونکیں مارنے سے اس کے سوا کیا حاصل ہوگا کہ تمہارے سر پہ بھی راکھ پڑے گی۔

دوستو! مَیں تو دہقان ہوں۔ میرا کام دِلوں کی زمین میں ہل چلانا ہے۔ تُم نے کہا کہ تُم ہماری زمین پہ ہل چلانے کے قابل نہیں ہو۔ مَیں تو خاندانی اور موروثی طور پہ دہقان تھا۔ مجھے تو ہل چلانا ہی تھا۔ مجھے تو آبیاری کرنی ہی تھی۔ یہ بات میری گھُٹی میں تھی۔ میرے خمیر میں گُندھی ہُوئی تھی۔ میں نے اور زمینیں ڈھونڈیں۔ دِلوں اور رُوحوں کی زمینیں اور ان زمینوں پہ ہل چلاتا ہوں۔

دوستو! مَیں تو للاری ہوں۔ میرا کام دِلوں کو اللہ کے رنگ میں رنگ دینا ہے۔

"صبغة الله ومن احسن من الله صبغة ونحن له عابدون"

"اللہ کا رنگ اور اس سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے اور ہم تو بس

اس کی غلامی کرتے ہیں۔"

تُم نے کہا کہ تمہیں رنگنا نہیں آتا۔ مَیں نے مُلک میں ہانک لگائی کہ کوئی ہے جو دلوں کو رنگوانا چاہے۔ دیکھو! میرے دروازے پر گاہکوں کی بھیڑ لگی ہے۔

دوستو! میں تو دھوبی ہوں، میرا کام دلوں کی میل کچیل کو چھانٹ دینا ہے۔ تُم نے کہا کہ تمہیں دھونا نہیں آتا۔ مَیں نے مُلک میں ہانک لگائی کہ کوئی ہے جو دل کی سیاہی دُھلوانا چاہے۔

دوستو! میں تو سقا ہوں، میرا کام رُوح کی پیاس بُجھانا ہے۔ تُم نے کہا کہ ہم تیرے مشکیزے سے پانی نہیں پیتے۔ مَیں نے مُلک میں ہانک لگائی کہ کوئی ہے جو دل کی پیاس بُجھانا چاہے۔ دیوبندی آئے، بریلوی آئے، مولوی آئے، بابُو آئے انجینئر آئے، ایڈووکیٹ آئے، پروفیسر آئے۔ سب نے کہا کہ ہم تیرے مشکیزے سے پانی پیتے ہیں۔

اور اس سارے دھندے سے خدا شاہد ہے مقصود فقط یہ ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ کر سکوں، اپنے دل کا میل کچیل چھانٹ سکوں۔

دوستو! وعظ کیا ہے؟ رُوحانی اور اخلاقی بیماریوں کی تشخیص کرنا اور دوا دینا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوا تلخ ہوتی ہے اور بیمار ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ لیکن مُشفق طبیب کو چاہیے کہ دوا حلق میں انڈیل دے۔ مریض کو جب شفا ہو جاتی ہے، تو دُعا دیتا ہے۔

دوستو! اگر مریض کو زکام ہو اور طبیب اسے معدے کی دوا دے۔ تو اس کی نااہلی میں شک و شُبہ کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے۔ اپنی اور سامعین کی تو

بیماریاں ہوں، انہیں ڈھونڈنا اور ان کی دوا دینا، یہ وعظ ہے، یہ طبِ روحانی ہے۔

مَیں چند باتیں عرض کروں گا جو میرے لیے مفید ہوں، جو آپ سب کے لیے مفید ہوں۔ وہ واعظ دُنیا دار ہے جس کا منتہائے نظر فقط یہ ہو کہ دُھواں دھار تقریر کی جائے، جذبات کو بھڑکا دیا جائے، نہ اپنے آپ کو فائدہ نہ دُوسروں کو فائدہ۔ آج کل تو سر دُھننا، وجد میں آنا، نعرے لگانا، ہاؤ ہُو کرنا، وعظ کے لوازمات بن کر رہ گئے ہیں۔ میری نظر میں وعظ تو یہ ہے کہ بیماریوں کو چُن چُن کر بیان کیا جائے اور ان کا علاج کیا جائے۔

توحید کے تقاضے

پہلی بات میں یہ کہتا ہوں اور میرا اوّلین مخاطب خود میرا نفس ہے کہ یہ سمجھنا خود فریبی میں مبتلا ہونا ہے کہ صرف قبروں کی پُوجا نہ کر کے آدمی نے توحید کے سب تقاضے پُورے کر دیئے۔

" ومن النّاس من یتخذ من دون اللّٰہ انداداً "

" اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ سے ہٹ کر اوروں کو اس کا ہم پلہ بنا لیتے ہیں "

آپ غور کیجیے کہ قرآن نے جہاں بھی توحید بیان کی " من دون اللّٰہ " کے لفظ استعمال کیے۔

" ان الذین تدعون من دون اللّٰہ عبادٌ امثالکم "

" اللہ کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو، وہ بھی تمہاری طرح بندگانِ خدا ہیں "

یہاں بھی لفظ " من دون اللّٰہ "

" والذین یدعون من دُون اللّٰہ لا یخلقون شیئًا وھم یخلقون "

"اور جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں، وہ خود کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ انہیں پیدا کیا گیا ہے۔"

'من دون اللہ' کے لفظ اتنے جامع ہیں کہ ان میں تمام غیر اللہ شامل ہیں۔ ان میں زندہ بھی شامل ہیں اور مُردہ بھی شامل ہیں۔

تم میں سے بعض نے مُردوں سے مرادیں مانگیں اور تم میں سے بعض نے زندوں سے مرادیں مانگیں۔ افسوس! تم نے مل کر غیر اللہ سے مرادیں مانگیں۔

قرآن اٹھا کر دیکھئے۔ قرآن کے تیس پاروں میں سب سے زیادہ زندہ فرعونوں کی نفی پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ سے کہا گیا کہ یہ نمرود جو خدا بن بیٹھا ہے اس کی نفی کرو۔ یہ قبر کی نفی نہیں ہو رہی تھی بلکہ زندہ جابر حکمران کی نفی کا حکم دیا جا رہا تھا۔

حکیم الامتؒ، اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے، انھوں نے دو مصرعوں میں اس مطلب کو بیان کیا۔

اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن

نعرۂ لا پیشِ نمرودے بزن

"اے حجروں کے اندر بیٹھ کر باتیں بنانے والو! کسی نمرود کے سامنے جا کر لا کا نعرہ لگاؤ۔"

قبر تو مٹی کا ڈھیر ہے۔ اس کی نفی میں کون سی دقت پیش آتی ہے جس کسی نے قبر پہ چادر نہ چڑھائی اور چراغ نہ جلایا، وہ اتراتا پھرتا ہے کہ توحید کے سب تقاضے اس نے پورے کر دیئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توحید کی ارتقائی منزلوں سے گزارا گیا تو ان سے بھی یہی کہا گیا کہ :۔

"اذھب الی فرعون انّہ طغیٰ"

جاؤ جا کر فرعون کی نفی کرو اور اس کے رُو برو جا کر اس کی نفی کرو وہ سرکش ہو گیا ہے۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھو کہ عزیزِ مصر کی نفی کر رہے ہیں۔ زندہ خداؤں کی نفی کرنا بڑی کٹھن منزل ہے۔ انبیاء کرام کی توحید یہی تھی۔ صحابہ کرام کی توحید یہی تھی ائمہ کرام کی توحید یہی تھی۔ وہ تمام ضمیر فروش علماء جو دُنیادار جاہ طلب، سرمایہ داروں کی زکوتیں کھا کر سال بھر ان کی کاسہ لیسی اور حاشیہ برداری کرتے ہیں اور اس کے باوجود اپنے آپ کو توحید کے بلند ترین مقام پر فائز سمجھتے ہیں اور پوری ملتِ اسلامیہ کو حقیر جانتے ہیں اور ان کی توحید کا حال یہ ہے کہ حقیر ترین دُنیوی اغراض کے لیے دُنیادار سرمایہ داروں کے گھروں کا طواف کرتے ہیں اور اُن کی صبحیں اور شامیں ان کی چاپلوسی میں بسر ہوتی ہیں۔ کیا "من دون اللہ" میں صرف حضرت عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت اجمیریؒ ہی شامل ہیں؟ کیا فاسق و فاجر حکام اور دُنیادار سرمایہ دار "من دون اللہ" میں شامل نہیں ہیں؟ یہ کیا منطق ہوئی؟ توحید کا یہ تصور ان لوگوں نے اپنے جی سے گھڑ لیا ہے۔ کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ کی توحید تو بڑی انقلاب آفریں ہے وہ تو ساری دُنیا کے بادشاہوں کے نام انقلابی خطوط لکھنے والی توحید ہے۔

"اسلم تسلم" اسلام لاؤ تو محفوظ رہ سکو گے۔

اس توحید کے نتائج کا ظہور تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اعلان میں ہوا تھا۔

"ھلک قیصر ولا قیصر بعدہ۔ ھلک کسریٰ ولا کسریٰ بعدہ"

فرمایا کہ میری آمد کا یہی نتیجہ قیصر و کسریٰ کی ہلاکت ہے اور یہ انقلاب جو میں

برپا کر رہا ہوں۔ اس کا بدیہی نتیجہ قیصریت اور شہنشاہیت کی تباہی ہے۔

دوستو! وقت کے فرعونوں کی بھی نفی کرو۔ دُنیا دار سرمایہ داروں کی بھی نفی کرو "لا تسئل الناس شیئًا۔ غیر اللہ سے کچھ نہ مانگو۔ نہ مُردوں سے مانگو نہ زندوں سے کچھ مانگو۔

حضرت عبد القادر جیلانیؒ "فتوح الغیب" میں توحید بیان فرماتے ہیں:

"ما دمت قائمًا مع الخلق، راضیًا لعطایاھم، متردداً الی ابوابھم انت مشرکٌ باللّٰہ خلقہ"

"جب تک تو مخلوق کے سہارے لیتا ہے۔ زندوں کے سہارے لیتا ہے اور مُردوں کے سہارے لیتا ہے، جب تک ان کی جیب پر تمہاری نظر ہے جب تک ان کی بخشش اور نَوال کی آس لگائے بیٹھا ہے جب تک ان کے دروازوں پر تو دھکے کھا رہا ہے۔ تو اللہ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہرا رہا ہے۔

محمد علی جوہرؒ توحید بیان فرماتے ہیں:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

اور سلطان باہو فرماتے ہیں: ؎

چو تیغِ لَا بدست آری بیا تنہا چہ غم داری
مجو از غیرِ حق یاری کہ لا فتّاح اِلّا ہُو

"جب لا کی تلوار تیرے ہاتھ میں ہے تو حق کے سوا کسی کا سہارا نہ لو کہ اس کے سوا کوئی مُشکل کشا نہیں۔

اور شیخ شیراز سے توحید سُنیے:

موحد کہ در پائے ریزی زرش   وگر تیغ ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نہ باشد زکس   ہمیں است بُنیاد توحید و بس

"موحّد وہ ہے جس کے قدموں میں تم سونے کے انبار لگا دو مگر اس کی رال نہ ٹپکے، جس کے سر پر آرا لٹکا دو، لیکن اللہ کے سوا کسی کا خوف اس کے دل میں نہ ہو۔"

توحید اور ادب یکجا کرو

دُوسری بات یہ عرض کرتا ہوں کہ موحّد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی بے مہار ہو جائے۔ رسیاں تڑا بیٹھے بے ادب اور گُستاخ ہو جائے، اہل اللہ کی شان میں گُستاخیاں کرے، مُحسنوں کا گریباں پھاڑے اور سمجھے کہ میں توحید کے تقاضے پُورے کر رہا ہوں۔

دوستو! میرا کام مرض کی تشخیص اور اس کا علاج ہے۔ گو مریض چیخے، چلّائے، ناک بھوں چڑھائے۔ مشفق ڈاکٹر وہ ہے جو حلق میں دوا انڈیل دے۔ آج تم کسمساؤ گے، مضطرب ہو ہو کے زانو بدلو گے، مگر کچھ عرصے کے بعد تم مجھے دُعا دو گے اور کہو گے کہ بات ٹھیک کہہ گیا تھا۔ جب مریض شفایاب ہوتا ہے تو کڑوی دوا کھلانے والے کو بھی دُعا دیتا ہے۔

دوستو! کچھ حدیثیں ایک مسجد میں بیان ہوتی ہیں۔ کچھ دوسری مسجد میں بیان ہوتی ہیں، اور کچھ ایسی بھی ہیں جو کہیں بیان نہیں ہوتیں، اس لیے کہ ان کا بیان کرنا فرقہ وارانہ مصلحتوں کے منافی سمجھتے ہیں۔

دوستو! احادیث میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"اذا تکلم اطرق جلساءہ کانما علی رؤوسھم الطیر"

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گفتگو فرماتے تو آپ کے پاس بیٹھنے والے گردنوں کو جھکا لیتے تھے اور حرکت نہ کرتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یعنی حرکاتِ نا شائستہ نہ کرتے تھے ۔۔۔ فالتو حرکت سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ فالتو حرکت کو بھی خلافِ ادب جانتے تھے۔

دوستو! یہ بھی تو صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ عُروہ بن مسعود صُلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضورِ اقدسؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ساتھیوں سے کہا عجب منظر دیکھا ہے وہاں۔

"انہ لا یتوضأ الا ابتدروا وضوءہ"

وہ جب وُضو کرتے ہیں، تو ان کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرتا ہے۔ لوگ تبرکاً اور تیمناً اسے جسم پر ملتے ہیں۔

"ولا یبصق بصاقا الا تلقوہ باکفھم"

اور ان کا لعابِ دہن بھی گرتا ہے تو صحابہؓ کے ہاتھوں پر گرتا ہے

"ولا تسقط منہ شعرۃ الا ابتدروھا"

ان کا کوئی بال بھی گرتا ہے تو صحابہؓ اس پر لپکتے ہیں۔

قرآن مجید پڑھ کر دیکھیں کہ وہ شخصیتیں جو اللہ کی ربوبیت کی مظہر ہیں اور انسان کی تربیت کرتی ہیں، ان کا ادب ملحوظ رکھنے کی کس شدت سے تلقین کی گئی ہے۔ آپ دیکھیں کہ والدین جسمانی تربیت کرتے ہیں، ان کے متعلق فرمایا:۔

"ولا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما"

دیکھو انہیں کبھی یہ بھی نہ کہنا کہ اُف ہے تم پر۔ یہ میری ربوبیت کے مظہر

ہیں۔ ان کے ذریعے سے میں تمہاری تربیت کر رہا ہوں۔ ان کو کبھی نہ جھڑکنا ان سے جب بات کرو، تو بات کو جانچ لیا کرو۔

رُوحانی تربیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی کے ذریعے سے کی گئی۔ ان کے بارے میں حکم ہوا۔

یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

"اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیمبر کی آواز سے اُونچا مت ہونے دو اور ان کے ساتھ یوں بے تکلفی سے بلند آواز سے بات مت کیا کرو جیسا کہ تم آپس میں کر لیا کرتے ہو ورنہ میں تمہارا پُورا اعمالنامہ غارت کر دوں گا یعنی میں تمہاری عبادتوں اور ریاضتوں کو لے کے کیا کروں، اگر میرے حبیب سے بات کرنے کا تمہیں سلیقہ نہیں۔

دوستو!

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات" ارواحِ ثلاثہ" میں دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے شیخ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حج کرنے کے بعد جب واپس آئے تو لکھنؤ میں اطلاع ملی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ، سید احمد شہیدؒ کے شیخ تھے۔ سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ صاحب کے عاشق تھے۔ یہ خبر سُن کر سید احمد شہیدؒ سخت بے قرار ہوئے اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے

کہا، فوراً دہلی جاؤ اور معلوم کر کے آؤ کہ کیا سچ مچ میرے شیخ دُنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو اپنا ذاتی گھوڑا دیا۔ حضرت شاہ صاحب تمام راستہ گھوڑے کی باگیں تھامے ہوئے پیدل چلتے رہے، لیکن گھوڑے کی اس زین پر بیٹھنے کی ہمت نہ ہوئی جس پر ان کے شیخ بیٹھتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب کس قدر باادب آدمی تھے کہ اس زین پر بیٹھنا بھی سُوئے ادب سمجھا جس پر ان کے شیخ بیٹھتے تھے۔

"ارواحِ ثلاثہ" ہی میں لکھا ہے کہ سید احمد شہیدؒ کی موجودگی میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ تقریر نہ کرتے تھے خاموش بیٹھے رہتے کہ میرے شیخ بیٹھے ہیں ان کی موجودگی میں کیا کہوں۔ بعض لوگوں نے حضرت شاہ صاحب کی کتاب "تقویۃ الایمان" ہی پڑھی ہے، کبھی صراطِ مستقیم بھی دیکھو، کبھی عبقات بھی پڑھو۔ وہ تو بہت لطیف آدمی تھے۔ وہ تجلیات سے آگاہ، وہ انوار سے آگاہ، سلوک کے مقامات سے آگاہ، خدا کی محبت اور معرفت کے تمام رموز سے واقف، ان کی شخصیت میں توحید و ادب یکجا ہو گئے تھے۔ توحید و ادب کا یکجا ہونا تکمیل کی علامت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات دیکھ رہا تھا۔ خواجہ باقی باللہؒ کے صاحبزادوں کو خط لکھتے ہیں:

"ایں فقیر از سرتا پا غرقِ احسان ہائے والدِ شما است"

یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے۔

ایک خط میں خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادوں کو لکھتے ہیں۔

"اگر مدت العمر سر خود را پائمالِ اقدام خدمہ عتبہ علیہ شما کردہ باشم ہیچ نکردہ باشم۔"

فرماتے ہیں: "آپ کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ اگر آپ کے آستانے کے خادموں کی عمر بھر خدمت کرتا رہوں تو پھر بھی آپ کا حق تو ادا نہ ہو سکے گا۔"

دوستو! بھاگ تو ایسے لوگوں کو ہی لگتے ہیں اور جو اپنے محسنوں کے قائل ہوں۔ جو اپنے محسنوں کو ذبح کریں، وہ سرسبز کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ یہودی بھی یہی کیا کرتے تھے جو لوگ ان کے محسن تھے، ان کے مربی تھے، جنھوں نے زندگیاں ان کی تربیت کے لیے وقف کر رکھی تھیں، ان ہی کو اپنا دشمن جانتے تھے، ان کے گریبان پھاڑتے تھے اور ان ہی کے قتل کے درپے تھے۔

"یقتلون النبیین بغیر الحق"

"ناحق پیغمبروں کو قتل کیا کرتے تھے"

اس جرم کی پاداش میں ان پر اللہ کی لعنتیں برسیں اور وہ مغضوب ہوئے۔

"ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباءو بغضب من اللہ"

دوستو! یہ فقرہ غور سے سنیں۔ موحد ہوتے ہوئے مؤدب ہونا اور مؤدب ہوتے ہوئے موحد ہونا بہت بڑی سعادت ہے۔ کچھ لوگوں کو توحید کی شُد بُد ہوتی ہے تو ادب کی لطافتوں اور باریکیوں سے محروم ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کو ادب کی شُد بُد ہوتی ہے تو توحید کے معارف سے محروم ہوتے ہیں۔ مؤدب ہوتے ہوئے موحد ہونا اور موحد ہوتے ہوئے مؤدب ہونا، یہ بہت بڑی سعادت ہے دوستو! اور میں اللہ سے اس سعادت کی بھیک مانگتا ہوں۔

آئینِ محمدی ﷺ کا نفاذ

اگلی بات یہ عرض کرتا ہوں کہ شاہ اسمٰعیل شہید کا یہ مشن تھا کہ اس خطۂ زمین پر آئینِ محمدی ﷺ کو نافذ

کریں۔ اے کاش اگر تم اسے اپنا مشن بناؤ۔ محض چند فروعی اور اختلافی مسائل پر اپنی تمام توانائی کو غارت کر دینا اور احیائے دین اور آئینِ محمدی کے نفاذ کے کام سے یکسر غافل ہونا، میں جرمِ عظیم سمجھتا ہوں۔

اے کاش کہ آئینِ محمدی کے نفاذ کے اس عظیم مقصد کو تم اپنے پیشِ نظر رکھو اور اس کے لیے مسلسل تگ و دو کرو۔ جس کے لیے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ نے اپنی جان تک کو نچھاور کر دیا تھا۔

دوستو! ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ وہ لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں جو اپنا احتساب کرتے ہیں، جو اپنی گھات میں بیٹھ کر اپنی چوریاں پکڑتے ہیں۔

خواہی اگر کہ عیب تو روشن شود ترا
یکدم منافقانہ نشیں در کمین خویش

ہم جو اتباعِ سُنّت پر اس قدر زور دیتے ہیں تو کیا صحیح سُنّت کی پیروی ہمارا شعار ہے؟ کیا چند فروعی مسائل پر جھگڑنا اتباعِ سُنّت ہے؟

اطاعتِ امیر

آپ غور کیجیے کہ احادیث میں اطاعتِ امیر پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔ جماعتی نظم و ضبط کو برقرار رکھنے اور امیر کی اطاعت و انقیاد کی کس شدت سے تلقین کی گئی ہے۔

آپؐ نے فرمایا:۔

"من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی"

جو امیر کی اطاعت کرتا ہے، وہ حقیقت میں میری اطاعت کرتا اور جو امیر کی نافرمانی کرتا ہے وہ حقیقت میں میری نافرمانی کرتا ہے۔ کچھ لوگ امیر کو بھینگی آنکھ

سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں، اس لیے یہ بھی فرمادیا :۔

"اسمعوا واطیعوا ولو استعمل علیکم عبدٌ حبشیٌّ"

دیکھو! امیر کی بات مانو، اگرچہ تم پر کالا بھجنگ حبشی غلام ہی کیوں نہ مقرر کر دیا جائے۔

آپ غور کریں آپ کس طرح مجلسِ شوریٰ میں امیر منتخب کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ باہر سے امیر آپ پر ٹھونس دیا جاتا ہو اور آپ دو لتیاں جھاڑیں کہ یہ کہاں سے آگیا ہے پچھلے پچیس برسوں سے تو میں دیکھ رہا ہوں کہ خود امیر بناتے ہیں اور پھر خود ہی اس کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، خود اس کی ٹانگیں کھینچتے ہیں، خود اس کی تذلیل و تحقیر کرتے ہیں۔

"دوستو! یہ کتنی بڑی نحوست ہے یہ تو ہم نے اسلام کی عمارت کی بنیادوں کو ڈھا دیا۔ تم کون سے اتباعِ سنت کا ذکر کرتے ہو۔ یہ خلفشار، یہ انتشار، یہ انارکی، یہ طوائف الملوکی کہ ہر شخص خاک اڑا رہا ہے، امیر کے سر پر بھی خاک پڑی ہوئی ہے، سب کے چہرے لتھڑے ہوئے ہیں، سب کے سروں پر خاک پڑی ہوئی ہے۔

"فما لھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا"

دوستو! کچھ لوگ تو ویسے ہی باغی ہوتے ہیں اور کچھ جماعت کے اندر رہ کر بھی امیر کو معطل کیے رہتے ہیں اور حکم اپنا چلاتے ہیں۔ وہ بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں سنگین مجرم ہیں۔ یہ جماعت کے اندر رہتے ہوئے امیر کو معطل کیے رکھتے ہیں اور اسے اُلو بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرتے ہیں۔ یہ فریب اور دھاندلی ... یہ کیا زندگی ہے جو تم بسر کر رہے ہو؟ یاد رکھو! جب تک جماعت کے

تمام افراد امیر پر اس طرح جانیں نہ چھڑکیں جس طرح پتنگے شمع دان پر گرتے ہیں اسلام کے جماعتی نظام کی ابجد ہنوز بھی سیدھی نہیں ہوتی۔

یہ دِلوں میں ایک دُوسرے کے خلاف حسد اور بغض کا ہونا۔ یہ اڑنگا بیچنی، یہ دَھول دھپّا اور دھینگا مُشتی ـــ کیا یہ دینی زندگی ہے؟

بزرگوں کی تصنیفات

دوستو! ہمارے بزرگوں کی تصنیفات کو دیمک چاٹ رہا ہے۔ ہم میں کوئی نہیں، جو ان بزرگوں کے حالاتِ زندگی کو ضبطِ تحریر میں لائے۔ عظیم شخصیتیں تمہارے ہاں گزری ہیں۔ لوگوں نے اپنے بزرگوں کے خادموں کے حالاتِ زندگی بھی لکھ ڈالے۔ تم کو کیا ہوا کہ جن لوگوں نے ساٹھ ساٹھ برس تک تمہاری بے لوث خدمت کی ان پر قلم اُٹھانے کے لیے تمہارے پاس وقت نہیں ہے۔ تمہیں الیکشن جیتنے اور ہارنے کا ایسا چسکا پڑ گیا ہے کہ اور کسی بات کا تمھیں ہوش باقی نہیں رہا۔ تمہاری درسگاہیں بنجر ہو گئیں۔ یا بانجھ ہو گئیں۔ ان درسگاہوں سے اب کوئی مولانا ثناء اللہؒ پیدا نہیں ہوتے کوئی مولانا ابراہیم سیالکوٹی پیدا نہیں ہوتے۔ کوئی داؤد غزنویؒ پیدا نہیں ہوتے۔ نہ اہلِ قلم پیدا ہوتے ہیں، نہ مبلّغ پیدا ہوتے ہیں، نہ مقرر پیدا ہوتے ہیں، نہ محقق پیدا ہوتے ہیں اور یہ باتیں تھیں غور کی دوستو۔ تم دن رات اُکھاڑ پچھاڑ میں لگے رہتے ہو۔ یہ کیا زندگی ہے جو تم نے اختیار کر رکھی ہے۔ آہ! کس قدر درد ہے میرے سینے میں جس کا اظہار کر رہا ہوں اور اس تلخ نوائی کے لیے آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔

مرکزیت نہ ہو تو خلفشار ہے، انتشار ہے۔

امام اُسے بناؤ جسے رُوح کی گہرائیوں سے پیار کرو۔ چند برس پہلے بھی میں یہاں آیا تھا اور اپنی باتیں کہہ گیا تھا، مگر تمہارے سینوں میں دل نہیں، پتھر ہیں جن سے میری آواز ٹکرا کے لوٹ آئی ہے۔

تم نے اعراض ہی نہیں کیا۔ تم نے "جعلوا اصابعهم فی اذانهم واستغشوا ثیابهم واصروا واستکبروا استکبارا" کی تمام سُنتیں پُوری کر دیں۔

اللہ کا ذکر کثرت سے کرو

ایک نصیحت تمہیں اور کرتا ہوں۔ روزانہ کچھ وقت اللہ اللہ بھی کیا کرو۔ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ہر وقت جدل و بحث ہی میں لگے رہتے ہیں اور اللہ کے ذکر سے یکسر غافل ہیں۔ ہمارے اسلاف تو ایسے نہ تھے، وہ سب ذاکر تھے۔ ان کی زبانیں ذکر سے رکتی نہ تھیں۔ شیخ شمس الحق ڈیانوی غایۃ المقصود کے مقدمے میں حضرت عبداللہ غزنوی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"کان مستغرقاً فی ذکر اللہ فی جمیع احیانہ"

وہ آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی اللہ کے ذکر میں ڈوبے رہتے تھے۔

شیخ لکھتے ہیں:

"وکان لحمہ وعظامہ واعصابہ واشعارہ متوجھا الی اللہ فانیا فی ذکر اللہ"

(ان کا گوشت، ان کی ہڈیاں، ان کے پٹھے، ان کا ہر بُن مُو اللہ کی طرف متوجہ رہتا تھا اور اللہ کے ذکر میں فنا ہو گیا تھا۔)

یہ تھے ہمارے اسلاف، ہم تو ذلگا۔ فساد اور لڑائی جھگڑے میں پڑ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی کھلی اُڑا رہا تھا اور اس پہ پھبتی کس رہا تھا کہ تمہارا درود غیر مسنون ہے اور تم بدعتی ہو۔ میں نے اُسے کہا کہ بھائی آج جمعہ تھا خود تم نے کتنا درود پڑھا۔ یہ تو تم نے کہا کہ اس نے غلط درود پڑھا، مگر تمہاری اپنی زبان بھی تو ساکت وصامت تھی۔ مسنون درود پڑھنے کی آج ایک بار بھی تمہیں توفیق نہ ہوئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اکثروا علی الصلوٰۃ یوم الجمعۃ"

جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے بھیجا کرو۔

ہم پر کیسی غفلت طاری ہوئی۔ جمعہ کے دن ہم نے درود پڑھنا بھی چھوڑ دیا۔ مولانا عبدالواحد غزنویؒ کی عجیب کیفیت ہوتی تھی جمعہ کے دن۔ اُن کی زبان درود سے رُکتی نہ تھی۔ ان کی ایک عزیزہ نے جو ابھی زندہ ہیں اور معمّر خاتون ہیں، مجھ سے ذکر کیا کہ ایک جمعہ کو عصر کے وقت میں مولانا عبدالواحد غزنویؒ سے پوچھ بیٹھی کہ آپ نے میری فلاں چیز بازار سے منگوالی ہے؟ ان کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ کہنے لگے تم کو کیا ہو گیا ہے دیکھو ساری کائنات میں حضورؐ کے عاشقوں کے درود فرشتے مدینہ منورہ لیے جا رہے ہیں۔ تم دنیا کی باتیں کر رہی ہو، درود پڑھو خُدا کے لیے۔ یہ ہمارے اسلاف تھے دوستو۔ ہم کو کیا ہو گیا صرف تخریب، صرف خاک اُڑانا ہمارا کام رہ گیا۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کچھ وقت روزانہ اللہ اللہ کیا کرو۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس دُنیا میں اللہ کے ذکر کی لذت سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں۔ دُنیا کی تمام لذتیں ذکر کی لذت کے سامنے ہیچ ہیں۔ ایک فقیر کہتا ہے ؎

اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلن پر آئی ہُو۔

"میرا سینہ ذکر سے مہک اٹھا ہے۔ میں آپے سے باہر ہوا جاتا ہوں۔"

خاقانی کہتا ہے:۔

پس از سی سال این نکتہ محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خُدا بُودن بہ از مُلکِ سلیمانی

"تیس سال میں لذت کی تلاش میں پھرتا رہا۔ تیس سال کے بعد یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچی کہ ایک لمحہ اللہ کی معیت میں گزار دینا تخت سلیمانی کے ہاتھ آنے سے بھی بہتر ہے۔"

دوستو! اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اور یہ بات بھی پلّے باندھو کہ لذّت آئے یا نہ آئے اس کے ذکر میں لگا رہنا چاہیے۔ جو آدمی لذّت آئے تو ذکر کرتا ہے اور نہ آئے تو نہیں کرتا ہے، وہ لذّت پرست ہے، خدا پرست نہیں ہے۔ میرے ایک بزرگ کہا کرتے تھے۔ ؎

یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

"میں اس کی جستجو میں لگا رہتا ہوں۔ اُسے حاصل کر سکوں یا نہ کر سکوں، یہ کیا کم ہے کہ اپنی تمنّا کا چراغ اس نے میرے سینے میں جلا دیا ہے۔ اپنی آرزو سے میرے سینے کو آباد کر دیا ہے۔ یہ کرم کچھ کم ہے، جو اس نے مجھ پر کیا ہے۔"

دوستو! فراق ہو یا وصل ہو۔ کیف ہو یا بے کیفی ہو۔ قبض ہو یا بسط ہو۔ اس کے آستانے پر جم کر بیٹھے رہو اور اللہ اللہ کرتے رہو۔

۵ فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

"فراق اور وصل کیا چیز ہے! دوست کی رضا مانگو۔ حیف ہے جو اس
سے اس کے سوا کسی اور کی آرزو کرو۔"

اگر ذاکر ہر وقت کیف اور لذت کی حالت میں رہے تو اس میں غرور اور کبر پیدا
ہو جائے اور ابلیس کی طرح راندۂ درگاہ ہو۔ یہ بے کیفی بھی اس کی ربوبیت ہے کہ
اس بے کیفی کی حالت میں انسان کو اپنی اوقات معلوم ہوتی ہے اور اس میں عجز و نیاز
پیدا ہوتا ہے۔

بدر دو صاف ترا حکم نیست دم درکش
ہر آنچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است

"تم دم سادھے رہو اور ساقی سے مت کہو کہ مجھے تلچھٹ پلاؤ یا مئے صافی دو۔
ساقی کی شفقت پر ایمان لاؤ وہ جو کچھ تیرے پیالے میں ڈالتے ہیں عین لطف و کرم ہے۔"
یہ فراق اور وصل کی منزلیں، یہ بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔
ایک عارف کہتا ہے۔

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم
کہ من نیز از خریداراں اویم

فرماتے ہیں کہ میں تو اسی بات پر وجد میں ہوں کہ میرا محبوب جانتا ہے کہ میں بھی
اس کے طلب گاروں میں ہوں۔ اصل بات اس کے آستانے پر جم کر بیٹھنا ہے اور
اس کے ذکر میں لگے رہنا ہے۔

غالب کہتا ہے :

اس فتنہ خُو کے دَر سے اب اُٹھتے نہیں اسد

اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

دیکھو۔ غالب رند کر کیسی استقامت کی بات کہہ گیا۔ تُف ہے ہم پر اللہ کے عاشق ہونے کا دعویٰ کریں اور اتنی استقامت بھی نہ دکھلا سکیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ امام صاحب تہجّد کے وقت دُعا فرماتے تھے۔ "رحم اللہ ابا الھیثم

یا اللہ! تو ابوالہیثم پر رحم فرما۔

مجھے بڑا رشک آیا کہ یہ کون ہے جس کے لیے اس قدر الحاح اور عاجزی سے دعا فرماتے ہیں۔ ایک دن جرأت کر کے پُوچھ لیا کہ یہ ابوالہیثم کون ہے۔ فرمایا: "جب مجھے دُرّے لگنے والے تھے اور مجھے جیل خانے کی طرف لے جا رہے تھے اور ضمیر فروش مولویوں نے آ کر مجھے تحریفیں کر کر کے آیتیں سنائیں اور کہا کہ کس نے اتنی ضد اور ہٹ کی ہے لے احمدؒ جو تم کر رہے ہو۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں بھی کچھ ڈانواں ڈول ہونے لگا تھا۔ اس وقت ایک ڈاکو میرے سامنے آیا جس کا بازو کٹا ہوا تھا اس نے کہا احمد میں ڈاکہ زنی کی پاداشس میں کئی بار جیل جا چکا ہوں میں جب رہا ہوا ہوں سیدھا ڈاکہ ڈالنے کے لیے گیا۔ میرا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر بھی ڈاکہ ڈالتا رہا۔ اب میرا بازو کاٹ دیا گیا ہے۔ اور میں اب پھر ڈاکہ ڈالنے کے لیے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا احمد! میری یہ استقامت شیطان کے راستے میں ہے۔ حیف ہے تجھ پر اگر اللہ کے راستے میں اتنی بھی استقامت نہ دکھا سکو امام احمدؒ

کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں استقامت کا پہاڑ بن گیا۔ اسی کے لیے دعا کرتا ہوں:

"رحمہا اللہ ابا الھیثم

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہ کن | بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا!
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز | اے رُو سیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

بس اس کے آستانے پر جم کر بیٹھنا، اس کی غلامی پہ ناز کرنا۔ توحید و ادب کو یکجا کرنا، مرکزیت کو قائم کرنا، اپنے بزرگوں کی تصنیفات کو زندہ کرنا اور اپنی درسگاہوں سے جو بانجھ ہو گئی ہیں۔ جو بنجر ہو گئی ہیں۔ نکاسی کا سامان کرنا۔ یہ ہیں کام کرنے کے دوستو۔ اس بات کے لیے سر جوڑ کر بیٹھنا کہ نکاسی کیسے ہو گی۔ درسگاہوں سے اہلِ قلم کیسے نکل سکتے ہیں، مبلغ کیسے پیدا ہو سکتے ہیں، مقرر کیوں کر پیدا کیے جائیں ورنہ قحط ہوتا چلا جائے گا دوستو۔ نہ کوئی اہلِ قلم ملے گا، نہ مقرر ملے گا، نہ قاری ملے گا، نہ محدث ملے گا۔ بانجھ ہوتی چلی جائے گی یہ زمین اگر تم الیکشنوں میں لگے رہے دوستو! یہ باتیں ہیں کرنے کی۔ مرکزیت کو قائم کرنا۔ روح کی پوری گہرائیوں سے اس کے ساتھ وابستگی کو محسوس کرنا۔ جو شخص اللہ اللہ نہیں کرتا ہے اس کے دل کا کھوٹ نہیں جاتا ہے اس کو مرکز کے ساتھ وہ وابستگی نہیں ہو سکتی ہے جو اللہ والوں کو اپنے مرکز سے ہوتی ہے۔

یادِ رفتگاں

یہ درسگاہ حضرت صوفی عبداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی یادگار ہے۔ وہ کس قدر اللہ اللہ کیا کرتے تھے۔ اللہ نے انہیں کیسی عزت بخشی تم الیکشن لڑلڑ کر ذلیل ہوئے، وہ اللہ کے ذکر میں فنا ہو کر معزز ہوئے۔ حضرت صوفی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے دل پر عجب کیفیت طاری ہے۔ مجھے یاد ہے کہ پچھلی مرتبہ جب میں یہاں تقریر کرنے لگا۔ تو اس وقت کوئی اور صاحب جلسے کی صدارت کر رہے تھے۔

صوفی صاحب غلبۂ حال میں بھاگے ہوئے آئے اور صاحب صدر سے منت کی کہ اب میں صدارت کروں گا۔ کرسیٔ صدارت پر بیٹھ گئے اور ان پر جذب کی حالت طاری تھی۔ میں گفتگو کر رہا تھا اور ان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

اس رُخِ آتشیں کی شرم سے رات
شمع مجلس میں پانی پانی تھی

حضرت صوفی صاحب بیمار ہوئے تو اُن کی عیادت کے لیے میں لاہور سے لائلپور آیا۔ انھوں نے میرے ساتھ مل کر دُعا کی اور بہت دیر تک دُعا کرتے رہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ حضرت سید مولابخش کرمویؒ بھی وہاں موجود تھے۔ ان کے ساتھ الگ بیٹھ کر دُعا مانگنے کا شرف بھی مجھے حاصل ہوا۔ یہ آخری دُعا تھی جو حضرت کرمویؒ نے میرے ساتھ مانگی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے ساتھ میری یہ آخری دُعا ہے تو میں دُعا کو اور لمبا کرتا۔

جب حرمین سے واپسی ہوئی تو جدہ میں حضرت صوفی صاحبؒ کے ساتھ دومنٹ کے لیے ملاقات ہوئی۔ خیریت پوچھی اور پھر دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ یہ آخری دُعا تھی جو حضرت صوفی صاحبؒ کے ساتھ میں نے مانگی اور مجھے علم نہیں تھا کہ وہ میرے ساتھ آخری دُعا مانگ رہے ہیں۔

دیکھیے! یہ قافلہ کس تیزی سے رخصت ہو رہا ہے۔ حضرت صوفی صاحب رخصت ہوئے۔ حضرت کرمویؒ رحلت فرما گئے۔ مولانا عبداللہ روڑی والے بھی وفات پا گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں کسی عہدے کی ہوس نہ تھی۔ اور اس کے باوجود عہدوں کی ہوس کرنے والوں سے زیادہ معزز تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مثبت انداز میں دین

کا کام کرتے رہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے مشن میں فنا ہوئے یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

"تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض ولا فسادا۔"

"آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مختص کر دیا ہے جو روئے زمین پر منصب کی بلندی اور فساد نہیں چاہتے ہیں۔"

آپ نے غور فرمایا کہ اس آیت میں لفظ عُلُوّا استعمال کیا اور اب تو ہر شخص کو یہ لت پڑی ہے کہ وہ ناظم اعلیٰ ہو، اور اعلیٰ کا لفظ بھی عُلُوّ سے ہے اور یہ وہی بیماری ہے جس کا قرآن ذکر کر رہا ہے۔ جن لوگوں کو ناظم اعلیٰ بننے کی ہوس ہے وہ "یریدون عُلُوّا کے زمرے میں شامل ہیں، اور جو اڑنگا پٹخنی اور دھینگا مُشتی میں لگے ہیں۔ وہ فسادًا کے زمرے میں شامل ہیں۔ یاد رکھو جو اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں فنا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بقا بخشتے ہیں، اس کو سچی اور دائمی عزت عطا فرماتے ہیں۔

آئیے! ہم اب سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں کو نور سے بھر دے اور جو باتیں ہم نے کہی ہیں، ان پر مجھے اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

"وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔"

اتّباعِ رسُول

تبلیغ کا ایک بُھولا ہوا اصُول

پروفیسر سیّد ابو بکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

فاران اکیڈمی

قذافی سٹریٹ ◎ ۱۲، اُردو بازار لاہور

جملہ حقوق محفوظ

قاسم محمود

فاران اکیڈمی ۱۷۔ اردو بازار لاہور نے

باجازت ورثائے سید ابوبکر غزنوی مرحوم شائع کی

اشاعت ثانی : جولائی ۱۹۹۵

تعداد اشاعت: ٦٠٠

قیمت :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

مقامِ عبدیت

یہ راستہ جس پر ہم سب گامزن ہیں اور جس راستے پر چلنے کے شوق میں ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں، یعنی اللہ تعالٰے کا راستہ۔ اس میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس راستہ میں بارگاہِ الٰہی میں سب سے اونچا مقام "مقامِ عبدیت" ہے۔ جب سالک اس راستے پر چلتا ہے تو کبھی اس کو خیال ہوتا ہے کہ خدا میرا یار ہے، وہ میرا محبوب ہے، وہ میرا عاشق ہے۔

بالعموم سلوک کے ابتدائی اور درمیانی مرحلوں میں سالک کو اس قسم کا احساس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ غلبۂ محبت کی وجہ سے اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اس کے مشاہدے میں اس وقت یہ بات نہیں ہوتی کہ اس کا تعلق رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ سے ہے، رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ سے اس کا تعلق ہے، اس خدا سے ہے جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے جو تمام جہانوں، تمام سلطنتوں اور اقوام و ملل کی پرورش کر رہا ہے۔ جو تمام سیاروں کا نظام چلا رہا ہے۔ نظام شمسی اور نظام ارضی ان سب پر حکمران ہے۔

سالک کی تربیت کے لیے ایسا ہونا ضروری ہے کہ محبت کے

جذبے سے سرشار ہو کر وہ کشاں کشاں منزلیں طے کرتا رہے اور اللہ کی ہیبت اور خوف سے اس کے اعضاء معطل نہ ہوں۔ جب وہ ہوش سنبھالتا ہے، اس کو اس راستے میں جب آگہی حاصل ہوتی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ وہ تو محیط بے کراں ہے اور میں تو ذرا سی آب جو ہوں۔ اس کو اپنے ذرّہ بے مقدار ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

جوں جوں اس راستے میں انسان آگے جاتا ہے، اس کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ آقا ہے، وہ پروردگار ہے۔ محبت اب بھی باقی ہوتی ہے۔ مگر ایسی محبت جیسے کسی غلام کو اپنے آقا سے ہوتی ہے۔ محبت اب بھی موجود ہوتی ہے مگر محبت اس غلام کی سی ہوتی ہے جو گوشۂ چشم سے اپنے آقا کو پیار سے دیکھتا ہے اور اس کی ہیبت بھی اس پر طاری ہوتی ہے اور اس کا جی بار بار کہتا ہے کہ اس کے کتنے احسانات ہیں مجھ پر، کتنے انعامات ہیں مجھ پر، کتنی نوازشیں ہیں مجھ پر جو یہ کرتا ہے اور ساتھ ہی اس کی عزت و تکریم، اس کا احترام، اس کا ادب، اس کی ہیبت بھی طاری ہوتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلہ نقشبندیہ کے بہت بڑے ستون ہیں، اپنے مکتوب دفتر اول، مکتوب نہم میں مقام عبودیت کے بارے میں فرماتے ہیں

"لاجرم مقام عبدیت فوق جمیع مقامات باشد"۔ یعنی مقام عبدیت تمام مقاموں سے بلند و برتر ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے یہ حقیقت بھی سمجھائی کہ یہ مقام سب سے اونچا کیوں ہے۔؟

فرماتے ہیں:۔

"چہ دید نقص دریں مقام اتم و اکمل است۔"	کیونکہ اس مقام پر آدمی کو اپنی عاجزی اور بیچارگی اور اپنے نقص کا احساس شدید تر ہوتا ہے۔

اور جتنا زیادہ انسان کو اپنی عاجزی، بیچارگی اور بندگی کا احساس شدید تر ہوتا ہے، بارگاہ الٰہی میں اس کا مقام بلند تر ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"جب مجھے مقام عبدیت کا مشاہدہ کروایا گیا تو میں نے دیکھا کہ:۔

"شہسوار یکہ تازی ایں میداں آں سرورِ دنیا و دیں وسید الاولین و سید الآخرین حبیب رب العلمین است۔"	میں نے غور سے مشاہدہ کیا کہ ان میں وہ کون شہسوار ہے جو سب سے آگے نکلا ہوا ہے۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔

جو تمام عباد صالحین اور "مقام عبدیت" پر سرفراز ہونے والوں سے آگے نکل گئے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ بہت پیار سے انسانوں کا ذکر کرتا ہے۔ جن کو اللہ نے بہت عطا کیا، آپ دیکھیں گے کہ انہیں لفظ "عبد" سے یاد فرماتا ہے مثلاً..... وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ۔

"وہ جس کو ہم نے مقام عبدیت پر سرفراز کر دیا تھا، وہ جن کا نام ایوبؑ (علیہ السلام) ہے، لوگوں کے سامنے ان کا ذکر تو کرو۔

لفظ "عبد" کا مفہوم ہر آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ دوستو!

مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:۔

"لاجرم مقام عبدیت فوق جمیع مقامات باشد"

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کے بعد ولایت کے جتنے بھی مقاماتِ قرب ہیں، عبدیت کا مقام ان سب سے افضل ہے۔

کسی جگہ فرمایا:۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ

وہ جن کو ہم نے مقام عبدیت پر سرفراز کیا تھا ...... داؤد ..... ان کا ذکر لوگوں سے کرو۔

پھر وہ، کہ ختم المرسلین تھے، اللہ تعالیٰ نے جو اپنے عظیم احسانات وانعامات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر کیے ان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ لفظ "عبد" سے یاد فرماتا ہے:۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى.

"سب عیبوں سے پاک ہے وہ ذات جو اپنے عبد کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔"

معراج ایک بہت بڑا انعام ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ معراج بیداری کی حالت میں جسدِ اطہر کے ساتھ ہوا۔ غور فرمائیے کہ اس مقام پر لفظ محبوب یا محب سے خطاب فرما سکتے تھے لیکن یہاں پہ بھی لفظ "عبد" بولا جا رہا ہے۔ بلکہ مجدد صاحبؒ اس خط میں لکھتے ہیں کہ:۔

"محبوباں را بایں مقام مشرف مے سازند"

یعنی اللہ کے جو محبوب ہیں اس دنیا میں جب ان کو محبوبیت کی منزل سے آگے لے جاتے ہیں تو مقام عبدیت پر سرفراز کرتے ہیں۔

اور یہ کہ وہاں لے جا کر گفتگو فرمائی، اللہ تعالےٰ نے وحی نازل فرمائی یہ بھی ایک بہت بڑا انعام ہے جو حاصل ہوا۔ وہاں بھی فرمایا:۔

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی۔

پھر وہ ذات گرامی جس کو وہ مقام عبدیت پر سرفراز فرما چکے ہیں ان سے جو اشارے ہوئے سو ہوئے۔

پھر آپ دیکھئے کہ جب یہ فرمانا مقصود تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام جہانوں کی طرف اور تمام قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں تو اس وقت بھی عبد کے لفظ سے یاد فرمایا۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

بابرکت ہے وہ ذات جس نے یہ آخری صحیفہ اپنے "عبد" پر نازل کیا تاکہ وہ تمام اقوام و ملل کو بدی کے نتائج سے خبردار کر دیں۔

اور جب یہ بتایا کہ یہ آخری صحیفہ ہے اور اس صحیفہ کے لگتے کی کوئی کتاب تم قیامت تک نہیں لا سکتے اس وقت بھی کہا:۔

اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا ..... فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔

یہ جن کو ہم نے اپنی وحی کا مہبط ٹھہرا دیا ہے اور یہ جن کو ہم آخری

مقامِ عبدیت پہ لے جا چکے ہیں۔ ان پر جو کچھ نازل کر رہے ہیں۔

تم سب اپنے حمایتیوں کو بھی لے آؤ اور مل کر کوشش کرو تم کبھی ایسی ایک بھی سورت نہ بنا سکو گے۔ یہاں بھی لفظِ عبد سے یاد فرمایا۔

اور جب دشمنوں کے نرغے میں رحمۃ للعالمین کی ذات گھر گئی تھی اس وقت بھی یہ آیت نازل ہوئی۔

الیس اللہ بکاف عبدہٗ

کہ میں جو تیری اتنی ربوبیت کرتا ہوں، کتنی منزلوں سے گزار کر آخر مقامِ عبدیت پر لے آیا ہوں کیا میں تیرے لیے کافی نہیں ہوں۔ یہاں بھی لفظ "عبد" فرمایا۔

علامہ اقبالؒ کو بہت اچھی طرح اس بات کا ادراک تھا۔ عجب کرم تھا حکیم الامت پر۔ عبدیت پر بہت زور دیا انہوں نے..... فرماتے ہیں:

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزومندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

سلوک کے دوران جو کیفیتیں طاری ہوتی ہیں بعض سالکوں پر نعرہ "انا الحق" کہہ اٹھتے ہیں کہ "میں حق ہوں" اور کوئی کہہ اٹھتا ہے۔

سبحانی ما اعظم شانی

کہ میری شان کتنی بلند ہے۔ فرماتے ہیں:۔

متاعِ بے بہا ہے یہ درد یہ سوز،

یہ اپنے آقا سے جو آرزو ہے قریب کی اور وصل کی اور اس کے انعامات کی خواہش...... کہتے ہیں کہ یہ بڑی بات ہے۔

مقام بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

فرمارہے ہیں کہ "انا الحق" کے مقام سے مقام عبدیت بہت بڑا ہے،
متعدد جگہوں پر یہ بات فرمائی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ بہت سے سالکوں کو ٹھوکر
لگی ہے اور مقام محبوبیت کو اونچا سمجھا ہے۔ اس مردِ فقیر پر اللہ کا عجیب کرم
تھا کہ ہر جگہ مقام عبدیت کا ذکر فرماتے ہیں۔

"عبد" وہ ہوتا ہے جس کی اپنی مرضی اللہ کی مرضی میں فنا ہو چکی ہو
یہ زمانہ جاہلیت کی شاعری میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔
الطریق المعبّد ...... جیسا کہ امام راغب اصفہانیؒ نے
مفردات میں بھی لکھا ہے۔ ...... وہ راستہ جو بالکل ہموار ہو اس میں کوئی
اونچ نیچ نہ ہو اس کو "الطریق المعبد" کہتے ہیں اور وہ اونٹ جو بدمستی نہ کرے
اور سیدھا چلے ہموار (مطیع) ہو کر اس کو بھی "البعیر المعبد" کہتے ہیں۔
...... تو وہ جس کے دل میں اونچ نیچ نہ ہو اور ہوس ختم ہو گئی ہو اور جس
کا جی اللہ کے سامنے بالکل جھک گیا ہو اور ہموار ہو اور اس کے تمام
احکامات پر "سمعنا و اطعنا" کہتا ہو اور بلا چون و چرا اس پر عمل کرتا ہو
ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و
یسلموا تسلیما۔
کی کیفیت طاری ہو کہ دل میں حکم سن کر کوئی تنگی محسوس نہ ہو دل
و دماغ کی ہم آہنگی سے کہے کہ بالکل بجا ہے میں ایسے ہی کروں گا اور اس
کی رضا میں اپنی رضا کو فنا کر دے، اسے کتاب اللہ کی بولی میں "عبد" کہتے
ہیں۔ جیسے کہ

ایک بزرگ نے کہا

زندہ کنی عطائے تو　　　　در بکشی خدائے تو
دل شدہ بتلائے تو　　　　ہر چہ کنی رضائے تو

تو اگر مجھے زندہ رکھیگا، تیری مہربانی ہے۔ تو میرا آقا ہے تو جانتا ہے کہ میرے لیے زندگی بہتر ہے۔ اگر قتل کر دے گا...... خدائے تو۔ میرے جی میں تو کئی دفعہ آیا ہے کہ میں تجھ پر قربان ہو جاؤں۔۔۔ دل شدہ بتلائے تو...... میرا دل تیری محبت میں مبتلا ہے...... ہر چہ کنی رضائے تو...... میں تو تیری رضا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی چاہیئے کہ وہ عباد صالحین کی جوتیاں سیدھی کرنے کی توفیق دے اور مقام عبدیت کی سمجھ عطا کرے۔ آمین

(وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین)

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اِتّباعِ رسولؐ

بزرگو اور دوستو! اصل بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اور ان کے اعمال میں فنا ہونا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے۔ اتباع کی حقیقت کیا ہے؟ اگر اس بات کو درویشانہ رنگ میں کہا جائے تو یوں کہیں گے۔ میرے محبوب کا تشبہ اختیار کرو۔ میرے محبوب کا روپ دھارو۔ جتنا کوئی میرے محبوب کا روپ دھارے گا اتنا ہی مجھے عزیز ہوگا۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو اللہ کی محبت کے دعوے کرتے ہیں کہ یہاں ہر دعوے کی ایک کسوٹی رکھی گئی ہے جس پر محبت پرکھی جاتی ہے۔ محض زبانی دعووں سے بات نہ چلے گی۔ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے سچ مچ پیار کرتے ہو تو،

فَاتَّبِعُوْنِیْ۔

میری پیروی کرو...... میرا روپ دھارو...... میرے اعمال

میں اور میری ذات میں فنا ہو جاؤ .... یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ .... اللہ تعالٰی کے تم محبوب ہو جاؤ گے۔ تو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اصل بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے۔ محض یہ سمجھنا کہ اپنے آپ کو تکلیف دینے سے اللہ تعالٰی خوش ہوتے ہیں، جتنا کسی نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا اور اذیت دی اپنی ذات کو، اتنا ہی اللہ تعالٰی خوش ہوتے ہیں یہ نظریہ غلط ہے۔ یہ جوگیوں کا نظریہ ہے۔ یہ ہندو مت اور بدھ مت کی بے راہ روی ہے۔ اسی کو ہم تعذیب نفس کہتے ہیں اور انگریزی میں SELF MORTIFICATION کہتے ہیں۔ جیسا کہ صحاح ستہ کی حدیث ہے کہ:۔

امہات المومنین کے پاس تین آدمی آئے اور انہوں نے امہات المومنین سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا ہے؟ اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا عبادت کرتے ہیں۔ صبح سے شام تک آپ کے معمولات کیا ہیں؟

جب امہات المومنین رضؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات بتلائے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو بہت کم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں، وہ تو سرورِ کونین ہیں، وہ سید الاولین و سید الاخرین ہیں، وہ حبیب رب العالمین ہیں، کہاں انکا مقام......؟
ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو رات بھر جاگا کروں گا اور نماز پڑھا کروں گا۔

دوسرے نے کہا میں بلا ناغہ روزہ رکھوں گا۔ صائم الدھر ہو جاؤں گا
تیسرے نے کہا، میں نکاح نہیں کروں گا۔
ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ا
جب یہ بات ان کے سامنے دہرائی گئی تو فرمایا:۔
"وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ"
میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اللہ نے اپنی خشیت اور اپنا تقویٰ تم
سب سے زیادہ مجھے عطا فرمایا ہے ...... وانی اصوم وافطر...
میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور اللہ کی نعمتوں سے لطف
اندوز بھی ہوتا ہوں...... وانا اصلی وانام... اور میں رات کو نماز
بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی جاتا ہوں۔ واتزوج النساء... میں عورتوں
سے شادی بھی کرتا ہوں..... مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي
جو شخص میری سنت سے روگرداں ہوتا ہے اس کا میرے ساتھ کیا تعلق
ہے۔؟

حقیقت میں معرفت نہ ہونے کی وجہ سے آدمی یہ سمجھتا ہے کہ
شاید "تعذیب نفس" سے اللہ تعالےٰ خوش ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے
کہ نماز مقام صبر ہے اور نیند مقام شکر ہے۔ اسی طرح روزہ مقام صبر ہے
اور افطار مقام شکر ہے۔ وہ آدمی جاہل ہے جو سمجھتا ہے کہ صرف مقام
صبر ہی سے قرب کی راہ حاصل ہوتی ہے۔ صبر اور شکر سے یکساں اللہ کا
قرب حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں احادیث میں روزے کی اتنی
فضیلتیں آئیں بالکل اسی طرح سحری کھانے کی بھی فضیلتیں ہیں۔ آپؐ

نے فرمایا:۔

تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السَّحُوْرِ بَرَکَۃً — سحری کھایا کرو، سحری میں برکت ہے

اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح فرمایا:۔

احب الی عبادی اعجلھم فطراً

مجھے وہ بندے بڑے پیارے لگتے ہیں کہ جونہی میں ان کو اجازت دیتا ہوں کہ تم میرا رزق کھا سکتے ہو تو بڑی تواضع اور عاجزی سے میرا شکر ادا کرتے ہوئے میرے رزق کی طرف لپکتے ہیں۔

بزرگوں نے کہا اس وقت رزق کی طرف لپکنا عین عبادت ٹھہرا اور اس پر ثواب مرتب ہو رہا ہے۔ پس صبر سے جس طرح اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اسی طرح شکر سے بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

علمائے حق نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریق پر سو رہنا اس عبادت اور ریاضت سے ہزار درجہ افضل ہے جو ان کے طریق سے ہٹ کر کی جائے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

وجعلنا نومکم سباتا — ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنا دیا ہے۔

جو اس نیت سے سو رہتا ہے کہ نیند اللہ کی بڑی نعمت ہے، مستحق اجر ہے۔ اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ انسان کے اعصاب جب تھک جاتے ہیں تو انسان پر نیند طاری ہو جاتی ہے۔ سو کر جب اٹھتا

ہے تو وہ پھر تازہ دم ہو جاتا ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے سونے پر بھی اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے۔ اس نیت سے سو رہنا کہ جب سو کر اٹھوں گا تو تازہ دم ہو کر اس کی غلامی کے حقوق ادا کرونگا، اس ریاضت سے ہزار درجہ افضل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہٹ کر کی جائے تو یہ کہنا کہ میں سوؤنگا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے۔

اور تمام مقامات جو طے ہوتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں فنا ہونے سے حاصل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بارہا عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں اولیاء کا اتفاق ہے بہت سے صحابی گنے جا سکتے ہیں جو ان سے کہیں زیادہ ریاضت کرتے تھے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں فنا ہو گئے تھے۔ اس لیے جو مقام صدیقیّت ان کو حاصل ہوا کسی دوسرے شخص کو حاصل نہ ہو سکا۔

اصل بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں، ان کے افعال میں ان کی سنتوں میں فنا ہونا ہے۔ گو اس میں راحت ہی کیوں نہ ہو بلکہ سنت تو سراسر راحت ہی ہے دوستو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ فرمایا کرتے تھے:-

جب دو باتیں تمہارے سامنے آئیں، ایک کٹھن ہو، تکلیف دہ ہو اور دوسری آسان ہو تو آسان چنا کرو۔ فرمایا

اِذَا ابْتُلِيتَ بِبَلَائَيْنِ فَلْيَخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا۔ — جب دو آزمائشوں میں پڑ جاؤ تو جو آسان راستہ ہے اس کو چن لو۔

خود اپنے آپ کو جان بوجھ کر اذیت میں نہ ڈالو۔ کبھی فرمایا:-

من شاقّ شاقّ | جو آدمی اپنے آپ کو جان بوجھ کر اذیت دیتا ہے
اللہ علیہ

* . Mortify کرتا ہے اللہ
* تعالیٰ اس پر مشقتیں لاد دیتا ہے۔

صحاح ستہ کی طرف پھر رجوع کیجئے۔ بخاری شریف اور ابوداؤد میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ نے دیکھا ایک صاحب دھوپ میں کھڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کون ہیں اور کیسے کھڑے ہیں؟ عرض کیا گیا یہ ابواسرائیل ہیں۔ انہوں نے نذر مانی ہے کہ کھڑے رہیں گے بیٹھیں گے نہیں، نہ سایہ کریں گے، نہ کسی سے بات کریں گے اور روزہ رکھیں گے اس پر آپ نے فرمایا:۔

مروه فليتكلم وليستظل | ان سے کہو بات کریں، سایہ میں
وليقعد وليتم صومه | آئیں، بیٹھیں، البتہ روزہ پورا کریں

مسلم شریف اور ابوداؤد میں ہے۔ حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی کہتے ہیں کہ میری بہن نے ننگے پاؤں حج کرنے کی نذر مانی اور یہ نذر بھی مانی کہ اس سفر میں سر پر کپڑا بھی نہ ڈالیں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اس سے کہو سواری پر جلئے اور سر ڈھانکیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عقبہ بن عامر کی بہن کا یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ نَذْرِهَا۔ — اللہ کو اس کی نذر کی کوئی ضرورت نہیں اس سے کہو کہ سواری پر جائے

ایک اور روایت میں حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا۔ میری بہن نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ أُخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَحُجَّ رَاكِبَةً — تیری بہن کے مشقت میں پڑنے اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے اسے سواری پر حج کرنا چاہیئے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ حضور نے (غالباً سفر حج میں) دیکھا کہ ایک بڑے میاں کو ان کے دو بیٹے سنبھالا دیئے چل رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا گیا انہوں نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ تَعْذِيبِ هٰذَا نَفْسَهُ وَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ۔ — اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے کہ یہ شخص اپنے نفس کو عذاب میں ڈالے پھر آپؐ نے اسے حکم دیا کہ سوار ہو۔

دوستو! یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اتباع سنت میں ہے حضور اقدس کی ذات میں فنا ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا ہونے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بوچھاڑ ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔ گو اس میں راحتیں ہی

راحتیں مل رہی ہوں، کس نے کہا ہے کہ جاں کو بے سبب جو کھوں میں ڈالنے سے وہ خوش ہوتا ہے؟ اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے حبیبؐ کی معرفت عطا فرمائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت عطا فرمائے اور اس میں ہمیں فنا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

تبلیغ کا ایک بھولا ہوا اصول

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی والصلوٰۃ والسلام علی سید الاولین و سید الاٰخرین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دین کا کام جس انداز سے کیا اس کا مطالعہ بہت دقّت نظر سے کرنا چاہیے۔ اس میں بہت سی باریکیاں ہیں۔ "محمدی انقلاب" جن ارتقائی منازل سے گزرا، اس کا مطالعہ بار بار آنکھیں کھول کر دقّت نظر سے کرنا چاہیئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہمارے بعض بھائیوں کو جب تبلیغ کا خیال آتا ہے تو اسباب کی فراہمی میں لگ جاتے ہیں، کہ پہلے اسباب اکٹھے کر لیں۔ جب اسباب فراہم ہوں گے تو پھر تبلیغ کا کام کریں گے۔

بڑی بڑی عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ ہال بنائے جاتے ہیں، مسجدیں تعمیر ہوتی ہیں، ان کی تزئین ہوتی ہے، سجاوٹ ہوتی ہے۔ زیبائش و آرائش پر ہزاروں کی رقم خرچ کی جاتی ہے اور کچھ ایسا وسوسہ ان کے جی میں ہوتا ہے کہ جب تک یہ اسباب فراہم نہ ہوئے اور اتنی رقم اکٹھی نہ ہوئی اور ایسی عمارت نہ بنی اس وقت تک کام کا آغاز نہیں ہو سکے گا۔

جب ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں اور انبیاء کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حقیقت سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

آپ دیکھیے کہ پیغمبروں نے ایسا نہیں کیا۔ سب سے ابھری ہوئی مثال حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ہے۔ جب فرمایا:۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم........

اے ہماری ربوبیت کرنے والے!

تو ہی ہے جو سب سامان فراہم کرتا ہے۔ تو نے حکم دیا کہ سارے اسباب کی نفی کر دو۔ ابراہیم! تمام اسباب کو "لا" کی تیغ سے اڑا دو اور اس بے آب وگیاہ وادی میں اپنے بچوں کو آباد کر دو۔ ہم یہاں دعوت الی اللہ کا ایک زبردست ہنگامہ گرم کریں گے۔ تو ربوبیت تو تیری ہی ہے۔ میں نے تیرے کہنے پر ان بچوں کو اس بے آب وگیاہ وادی میں آباد کر دیا ہے۔ آپ دیکھیے........ یہ بہت بڑی حقیقت ہے جو داعی الی اللہ کے پیش نظر ہونی چاہیئے کہ ابراہیم خلیل اللہ نے پہلے دعوت الی اللہ کی اور جب ایک آدمی اخلاص کے ساتھ اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، اس کے وجود کا کھوٹ نکل جاتا ہے۔ اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور کتاب وحکمت کا علم معرفت اور فہم اس کے ظرف میں اللہ تعالیٰ ڈال دیتے ہیں اور وہ اللہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے تو تمام اسباب مسخر ہونے لگتے ہیں۔ دعوت الی اللہ انبیاء کے ہاں پہلے ہوتی تھی۔ پھر اسباب مسخر ہوتے تھے اور ان کے قدموں میں اللہ تعالیٰ اسباب کو ڈھیر کر دیتے تھے۔

جن لوگوں نے بیت اللہ کی زیارت کی ہے انہیں علم ہے کہ وہ علاقہ کیسا صحرا ہے۔ اس صحرا میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا تو ساری کائنات

کے ہر ہر گوشے سے اللہ نے انسانوں کے دلوں میں القا کیا کہ اس صحرا کی طرف چلو۔ دنیا جہاں کی جو نعمتیں ہیں وہ اس صحرا میں لاکر ڈال دیں اور لوگوں کے دل اس صحرا کے ساتھ معلق کر دیئے کہ کائنات کھچی ہوئی اور سمٹی ہوئی اسی صحرا کی طرف چلی آتی ہے۔

اصل بات دعوت الی اللہ کا ڈھنگ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک وقت آئیگا۔

مساجدھم عامرۃ وھی خراب

مسجدیں بظاہر بڑی آباد ہوں گی اور حقیقت میں ویران ہو جائیں گی مسجدوں کے درو دیوار بڑے منقش ہوں گے اور انسانوں کی بھیڑ بھی ہو گی

وھی خراب — اور وہ خراب ہو جائیں گی۔

یعنی للّٰہیت ویران ہو جائیں گی۔

صبغۃ اللہ — اللہ کا رنگ

پھیکا پڑ جائے گا۔

جو لوگ دین کا کام کرتے ہیں انہیں یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ دعوت الی اللہ کرنے والے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے وجود کو کھوٹ سے پاک کرے اور یہ دعا کرے :

"اللھم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس" — یا اللہ میرے وجود کو میل کچیل سے پاک کر دے جیسا کہ سفید کپڑے کی میل جب چھانٹ دی جاتی ہے تو وہ صاف ستھرا ہو جاتا ہے اور

پٹا سفید ہو جاتا ہے۔

یا اللہ! تو میرے دل کی سیاہیوں کو دھو ڈال۔ مبلّغ کا کام اپنے وجود سے کھوٹ کو نکال دینا اور انوارِ الٰہی سے وجود کو منور کرنا اور کتاب و حکمت کا فہم حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا، پھر لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی طرف بلانا ہے۔

یہ سمجھنا غلط فہمی ہے دوستو! کہ دعوت الی اللہ، کا معنی وعظ ہی ہے۔ یہ بڑی اہم باریک بات ہے۔ یہ نہ خیال کیجیے کہ دعوت الی اللہ کا معنی صرف وعظ کر کے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے۔ اللہ کی طرف بلانے کا نام کبھی گفتگو سے ہوتا ہے کبھی دوستی سے ہوتا ہے، کبھی یاری سے ہوتا ہے۔ محض چار دوستوں سے بے تکلف گفتگو سے ہوتا ہے اور کبھی خاموش اہل اللہ چراغ کی طرح جلتے ہیں اور زبانیں چپ ہوتی ہیں اور جیسے چراغ کے قریب جس چراغ کا بھی فتیلہ آتا ہے وہ چراغ جلنے لگتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اہل اللہ چپ ہوتے ہیں اور ان کے نور سے دوسروں کی روحیں منور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہ جو فرمایا :-

دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔

یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا ہوتے تھے تو اس وقت دعوت الی اللہ نطق و گویائی سے دے رہے ہوتے ہیں اور جب چپ ہوتے تھے تو آفتاب کی کرنوں کی طرح لوگوں کی میل کچیل کو چھانٹ رہے ہوتے تھے۔

ایک اندھا آدمی کہتا ہے کہ یہ بولتے کیوں نہیں، چراغ کب

بولتا ہے۔ مگر روشنی دیتا ہے اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بول کر دعوت دی جاتی ہے اور کبھی چراغ کی طرح روشنی دی جاتی ہے کہ ہر چراغ کے فتیلے کو آگ لگتی چلی جاتی ہے اور وہ چراغ جلتے چلے جاتے ہیں۔ یہی "سراجاً منیراً" ہے۔ ایسا چراغ جو دوسروں کو منور کرنے والا ہے اور خود چپ ہے تو کبھی دعوت گویا ہو کر دی جاتی ہے۔ کبھی چراغ کی طرح جل کر دی جاتی ہے۔

دوستو! یہ مت خیال کیجئے کہ اگر آپ وعظ نہ کر سکے تو دعوت کا کام ہی نہ ہو سکیگا۔ ایسے فقیر بھی ہیں جو چراغ کی طرح جلتے ہیں اور اس فقیر کے پاس بیٹھنے سے روح کے چراغ کا فتیلہ لو دے اٹھتا ہے اور اصل کام تو دوستو اس فتیلے کا جلنا ہے۔ کتنے وعظ ہیں جنہیں سننے کے بعد بھی فتیلہ گیلا رہتا ہے۔ مجھ سے پوچھیے کہ کتنے علماء کے وعظوں میں ہم گئے اور فتیلہ جو تھا وہ جل نہ سکا اور کتنے فقیر تھے جو خاموش تھے ان کے پاس بیٹھے اور فتیلہ سلگنے لگا۔ روشن ہو گیا اور "سراجاً منیراً" کی تفسیر ان کی محفل میں بیٹھنے سے سمجھ میں آ گئی۔

دوستو! اللہ کی طرف بلانے کا کام کبھی دوستی سے ہوتا ہے، یاری سے ہوتا ہے، محض پیار سے ہوتا ہے کبھی گویا ہونے سے ہوتا ہے کبھی چپ رہنے سے ہوتا ہے۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ بڑی غلط فہمی ہے جو مولویوں کو پیدا ہوئی کہ کام شروع کرتے ہیں تو چندہ فراہم کرنے سے۔ دیکھئے کیسی مت پلٹ جاتی ہے انسان کی اور بڑے بڑے جید علماء کی، کہ جب دل کی بتی

بجھ جاتی ہے تو تبلیغ کا کام سمجھ میں نہیں آتا ہے ...... سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتا ہے مگر بات الٹ شروع کرتا ہے۔

کتنے لوگ ہیں کہ فلاں پراجیکٹ بنایا ہے، دین کا کام کرنا ہے، لہٰذا چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ تمام انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی تاریخ پڑھ کر دیکھیے۔ یہ انبیاؑ کی سمت کے مخالف سمت چلتا ہے لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار کہا گیا کہ ہر پیغمبر نے احیاء دین کا کام شروع کیا تو کہا:-

وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین۔

تم ناک بھوں میرے وعظ پر کیوں چڑھاتے ہو تم سے کوئی اجرت مانگنے تو نہیں آیا ہوں۔ تم سے چندہ تو نہیں مانگتا ہوں۔

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

میرا اجر تو اس پر ہے جو سارے جہانوں کو پال رہا ہے، جو فاسقوں اور فاجروں کو پال رہا ہے، جو اپنے باغیوں کو پال رہا ہے۔ میں تو اس کے دروازے پہ بیٹھا ہوں اور اس کا کام کر رہا ہوں۔ کیا وہ مجھے نہیں پالے گا؟

دیکھیے عجب بات پلٹ گئی ہے جو کام شروع کرتا ہے، پہلے کہتا ہے چندہ اکٹھا کیجیے۔

دوستو! یہ انبیاؑ کے طریقے کے بالکل منافی ہے کہ کام کو چندہ کی فراہمی سے شروع کیا جائے۔

یاد رکھیے، مبلغ کا کام داعی الی اللہ کا کام اور نائب رسولؐ کا کام

یہ ہے کہ وہ انسانوں کو بنائے، ان پر محنت کرے۔ ان کی تراش خراش کرے اس کا کام آدمی پیدا کرنا ہے، ان کی تربیت کرنا ہے اور جب انسان پیدا ہونے لگتے ہیں تو تمام اسباب مسخر ہونے لگتے ہیں۔

جب آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ انسانوں کی تو قدموں پہ لا کے اپنے سارے اثاثے کو ڈھیر کر دیتے ہیں۔ پھر چندے کی بھیگ ذلت سے نہیں مانگنی پڑتی۔ پھر تو یہ کہا جاتا ہے

ما ابقیت لاھلك؟

گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے یا سب کچھ ہی لیے چلے آ رہے ہو۔

دیکھئے یہ سب کچھ پڑھتے ہیں مگر قلب پہ چونکہ حجاب ہے اس لیے کام کا آغاز چندے کی فراہمی سے کرتے ہیں۔ یاد رکھئے یہ اہل اللہ کی کسوٹی ہے کہ وہ انسانوں کو سنوارتے چلے جاتے ہیں۔ جب وہ سنورتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھلتی ہیں تو وہ خود کہتے ہیں کہ اس کارِ خیر میں ہمیں بھی خدا کے لیے شامل کر لیجئے۔

مبلّغ کا کام یہ ہے

یزکّیکم و یعلّمکم الکتاب والحکمۃ۔

اس کا کام یہ ہے کہ انسانوں کی تربیت کرے، ان کو تراشے خراشے، ان کے ظرفوں کو دھوئے جیسے خادم ہوتا ہے۔ وہ تو نوکر ہے اس کا کام برتن مانجھنا ہوتا ہے، وہ تو دھوبی ہے اس کا کام تو کپڑے کو زور زور سے پٹخنا اور دیکھنا ہے کہ صاف ہوا ہے یا نہیں؟۔

یز کیہ کی حقیقت یہ ہے دوستو! ہم نے سارا زور عمارتوں کی تعمیر پر لگا دیا۔ آدمی ایک پیدا نہیں ہوتا مگر بڑے بڑے ہال بناتے ہیں جب انسانوں پر محنت کی جاتی ہے تو ابوبکرؓ و عمرؓ پیدا ہوتے ہیں، عثمانؓ و علیؓ پیدا ہوتے ہیں۔ عرب و عجم مسخر ہوتے ہیں۔ ہر داعی الی اللہ کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اس کی توجہ اسی بات پر مرکوز رہے کہ انسانوں کے ذہنوں اور روحوں کی تربیت کرے۔

اِن دو باتوں پر توجہ کو مرکوز کرتا چلا جائے۔ اسباب اللہ تعالےٰ چاہیں گے تو اس کے لیے سمٹتے چلے آئیں گے۔

وآخرہ دعوانا ان الحمد للہ رب

العلمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

فاران اکیڈمی

قذافی سٹریٹ ◎ ۱، اُردو بازار، لاہور

جملہ حقوق محفوظ

قاسم محمود

فاران اکیڈمی ۱۷۔ اردو بازار لاہور نے

باجازت ورثائے سید ابوبکر غزنوی مرحوم شائع کی

اشاعت ثانی : جولائی ۱۹۹۵

تعداد اشاعت: ۶۰۰

قیمت :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

احباب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا سید ابو بکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہر جمعرات "مجلس ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ مجلس ذکر کا یہ معمول تھا کہ موسم سرما ہو یا گرما سورج غروب ہونے سے بیشتر پون گھنٹہ مجلس شروع ہوتی تھی۔ پہلے پندرہ منٹ خاموشی کے ساتھ اذکار مسنونہ جاری رہتے، پھر پندرہ منٹ قرآن وسنت کی تعلیمات پر روشنی ڈالتے۔ نماز مغرب باجماعت ادا ہوتی اور احباب چائے کے بعد رخصت ہو جاتے۔ "مجلس ذکر" کا بنیادی مقصد "تعلیم تزکیہ" تھا۔ سید صاحبؒ کی زبان میں :-

"دل کی یوں تربیت کرنا کہ دماغ کو پھپھوندی لگ جائے۔ نقصان دہ ہے اور عقل کی یوں تربیت کرنا کہ دل کی بستی ویران ہو جائے، بھی شخصیت کی نشوونما کے لیے مضر رساں ہے۔ "تحریک احیائے دین" اس بات پر زور دیتی ہے کہ دل اور دماغ کی بیک وقت یوں تربیت کی جائے کہ ان میں ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ وہ فیضان جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانیت کو بخشا قرآن مجید نے اسے چند لفظوں میں سمیٹ دیا۔ "یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" (آل عمران - ۱۶۴) (۱) وہ ان کا تزکیہ کرتے ہیں۔ ان کے دلوں کی سیاہیاں دھوڈالتے ہیں (۱) اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ پس احیائے دین اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تزکیہ اور کتاب وحکمت کی تعلیم کو یکجا نہیں کیا جا سکتا۔"

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل کی خاص دولت سے بالا

مال کیا تھا۔ وہ بدیع الزماں تھے۔ اس نسبت سے انھیں علامہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا مگر انھوں نے اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ "علامہ" کے لاحقہ سے گریز کیا۔ بلکہ شہر کے علاموں کو دیکھ دیکھ کر اس لقب سے انھیں نفرت کی حد تک چڑ تھی۔ فرماتے تھے جس کو قرآن مجید کی دو آیتیں یا چار حدیثیں ازبر ہو جاتی ہیں وہ اپنے آپ کو علامہ کہلوانا شروع کر دیتا ہے۔ اُن کی کسرِ نفسی کی انتہا یہ تھی کہ اپنے آپ کو ہمیشہ دین کا ایک ادنیٰ طالب علم گردانتے تھے۔ اس ضمن میں امام مالکؒ کا حوالہ دیا کرتے تھے کہ انھوں نے فرمایا تھا۔ مجھے "لاادری" ۔۔ میں یہ مسئلہ نہیں جانتا ۔۔ کہنے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ "ادری" میں جانتا ہوں کہنے میں حاصل نہیں ہوتی۔ سو وہ بھی ساری عمر اس کسرِ نفسی اور انکساری پر برابر قائم رہے اور اخباری علامہ نہ بنے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے مسلسل اور پیہم مطالعہ اور شب و روز ذکر الٰہی میں مستغرق رہنے نے اُن پر قرآن مجید کے انوکھے اور اچھوتے مطالب و معانی اور معرفت الٰہی کے اسرار و رموز وا کر دیئے تھے۔ عشق نبویؐ سے سرشار ہو کر وہ احادیث کی ایسی ایسی تشریحات فرماتے کہ انسان حیران رہ جاتا تھا۔ مجلس ذکر" یہ چند منٹوں کی گفتگو بہت علمی، مستند، جامع اور بڑی مربوط ہوتی تھی۔ انداز دل نشین، اسلوب خطابی اور ادائیگی اس قدر خوبصورت اور ادبی چاشنی لیے ہوتی کہ آدمی کے دل پر اثر انداز ہوتی۔ حوالے کے بغیر بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ بعض اوقات ایک آیت یا حدیث کی تشریح مسلسل تین چار جمعراتوں پر پھیل جاتی تھی۔ مقامِ افسوس یہ ہے کہ ایک مدت تک اُن کی یہ علمی اور روحانی گفتگو محض سننے سنانے پر منحصر رہی اور بہت بڑا علمی سرمایہ ضائع ہو گیا۔ احباب کو بہت دیر بعد یہ خیال آیا کہ علم کے بے بہا گوہر جو سید صاحبؒ لٹاتے ہیں انھیں یوں نہیں رُلنا چاہیے بلکہ

اسے منا بطۂ تحریر میں لانے کا سامان ہونا چاہیے۔اس سوچ کے بعد بندۂ عاجز نے یہ ڈیوٹی اپنے ذمے لی اور مجلس ذکر میں اس گفتگو کو ٹیپ کرنا شروع کیا۔ ٹیپ سے اسے قرطاس ابیض کی زینت بناتا رہا۔ اے کاش یہ فیصلہ بہت پہلے ہوا ہوتا ــــ کان امر اللہ مفعولاً ــــ ٹیپ سے ساری گفتگو کو نقل کر کے سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ مسودے کی نوک پلک سنواری جاتی۔ سید صاحبؒ اُسے MANUSCRIPT کا نام دیتے تھے۔ نوک پلک جب سنور جاتی تو اس کو دوبارہ تحریر کر کے محفوظ کر لیا جاتا۔ کچھ مسودات ایسے ہیں جن پر خود سید صاحبؒ نے بندہ عاجز کی موجودگی میں نظر ثانی فرمائی اور کچھ ایسے ہیں جن پر نظر ثانی نہ ہو سکی۔ وہ بھی اللہ کے فضل سے محفوظ ہیں۔ جن مسودات پر نظر ثانی کے بعد چھپوانے کا فیصلہ ہوا "تعلیم و تزکیہ" بھی انہی میں سے ایک ہے۔ ایک آیت کی تشریح مسلسل چار جمعراتوں ۵،۷،۵،۱۱،۵،۲۰،۵،۲۸،۵،۷،۵،۱۵، ۵،۷،۵،۲۲ کی گفتگو پر پھیلی گئی ہے۔ یہ بیش قیمت اور انمول جواہر سید صاحبؒ کے عقیدت مند قارئین کرام کے حضور پیش کرتا ہوں۔ وہ خود فیصلہ فرمائیں کہ ایسی تفسیر کہیں اس سے پہلے پڑھی یا سُنی ہے۔ یہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ باقی کڑیاں بھی انشاء اللہ وقت کے ساتھ ساتھ منظر عام پر آتی رہیں گی تاآنکہ ایک سنہری زنجیر بن جائے۔

میں اپنے زمانہ طالب علمی سے ہی سید صاحبؒ سے یہ گذارش کرتا رہا کہ آپ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں جو منفرد، انوکھی اور نوجوان طبقے کے لیے اپنی مثال ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اردو، فارسی، عربی، انگریزی زبانوں کے علوم و لغت پر عبور عطا کیا ہے۔ ان زبانوں کے شعری اور ادبی سرمائے سے بھی آپ کا دامن پُر ہے۔ آپ جس انداز میں بات کرتے ہیں لوگ اس انداز کو ترس گئے ہیں مگر سید صاحبؒ ہمیشہ یہ فرماتے یہ کام بہت کٹھن ہے۔ میری یہ آرزو اگرچہ پوری نہ ہو سکی ــــ

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مگر میں سمجھتا ہوں کہ "مجلس ذکر" کے بحر کی غواصی میں جو کچھ ہاتھ آیا وہ اس اچھوتی اور تصوراتی تفسیر کی ایک جھلک ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سید صاحبؒ کے درجات اعلیٰ علیین میں بلند فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ان کے مشن کو زندہ اور جاری و ساری رکھ سکیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

احقر العباد
عبدالحفیظ عفی عنہ
سیکرٹری "تحریک احیائے دین"
۴ بر شیش محل روڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمہ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون ۔

یہ سورۂ بقرہ کی آیت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو مختلف انعامات کیے ہیں وہ بتا رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت پیدا ہو کہ وہ اتنا بڑا محسن ہے ، اتنا بڑا منعم ہے ۔ اس مقصد سے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بیان کرتے ہیں کہ انسان غافل ہے اور اللہ کی تمام نوازشیں انسان کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہیں ۔ یہ اس کا بہت بڑا کرم ہوتا ہے کہ کسی انسان پر اللہ کے جتنے احسانات اور انعامات ہوں ۔ وہ رتی رتی اس کی نگاہ میں رہیں ۔ وہ انعامات جو ذہنی ہیں ، جسمانی ہیں ، روحانی ہیں ، ان میں سے کوئی بھی اس کی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے پائے ۔

فرماتے ہیں :

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم

ایک احسان ہمارا یہ ہے کہ ہم نے تم ہی میں سے ایک پیغمبر تمہارے پاس بھیجا ، جو تمہیں ہماری ذات اور صفات اور ہمارے افعال کی معرفت بخشتا ہے جو تمہیں خیر و شر

ہیں حدّ فاصل کھینچنے کی تمیز بخشتا ہے۔

لفظ "منکم" پر زور دیا کہ دیکھو جو پیغمبر ہم نے بھیجا' ایسا نہیں کیا کہ کہیں باہر سے آئے ہوں اور اس نے کہہ دیا ہو کہ میں تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اسی معاشرے میں سے جس میں انسان رہتا ہو، اپنوں میں سے کسی آدمی کا مل جانا جس سے فیضان حاصل ہو' یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت اور احسان ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا مانگی تو یہی کہا:

والبعث فیھم رسولا منھم —— یا اللہ ایک تو ان پر فیضانِ رسالت نازل فرما اور فیض رساں ہو بھی انہی میں سے۔ قرآن اس پر زور دیتا ہے۔

جب رسالت ختم ہوگئی' تو بزرگوں نے کہا کہ کسی ولی کا اسی معاشرے میں سے ہونا اللہ تعالیٰ کا اس معاشرے پر بہت بڑا کرم اور اس کی نوازش ہوتی ہے فیض رساں ولی اگر اسی معاشرے میں سے ہو تو بڑی سہولت کے ساتھ اس سے طبعی مناسبت ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرآن میں بار بار یہ لفظ استعمال کیا گیا —— منکم —— کہ ہم نے جو پیغمبر بھیجا وہ تم ہی میں سے ہے۔ اس بات کو نعمت اور احسان کے طور پر بیان فرما رہے ہیں۔

اس آیت میں سلوک کے تمام مقامات بلکہ ایک مسلمان کو جو باتیں زندگی میں حاصل کرنی چاہئیں۔ ان کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو کام کیا اس کی اہم کڑیاں کیا تھیں؟

فرماتے ہیں: یتلوا علیکم آیاتنا۔ تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ خود قرآن مجید کی آیتوں کی تلاوت باعثِ برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فیوض و برکات ہیں جو محض تلاوت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس دور کی جہاں اور بہت سی محرومیاں ہیں وہاں ایک محرومی یہ بھی ہے کہ لوگوں نے تقریب کے دوران قرآن مجید کی آیتیں پڑھنی

چھوڑ دی ہیں۔ اس دَور کے علماء حضرات یا لیکچرار جب تقریر کرتے ہیں، تو قرآن کا متن نہیں پڑھتے۔ اس کو OUT OF DATE سمجھتے ہیں کہ آیتیں اور حدیثیں زیادہ پڑھی جائیں باتیں زیادہ کی جاتی ہیں۔ فقرہ بازیاں ہوتی ہیں۔ فلسفہ چھانٹنے کی کوشش زیادہ کی جاتی ہے۔ اس سے نحوست پیدا ہوتی ہے۔

جن لوگوں کا قدم سیدھے راستے پر ہے وہ آیتوں کو تبرکاً اور تیمناً بھی پڑھتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں: یزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمۃ۔ وہ تمہارا تزکیہ کرتے ہیں۔ وہ تمہاری رُوح کی سیاہیاں دھو ڈالتے ہیں۔ وہ تمہارے جذبات کی تطہیر کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہیں اور دین کا فہم اور بصیرت تمہیں عطا کرتے ہیں۔ و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون۔ اور تمہیں وہ علم و معرفت کی باتیں بتلاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے یعنی حضور علیہ السلام صحابہؓ کے قلب و ذہن کی بیک وقت تزئین کرتے تھے اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرتے تھے۔

آگے فرماتے ہیں: فاذکرونی ——— میری یاد میں لگ جاؤ، میرے ذکر میں لگ جاؤ۔ گرہیں کھلتی جائیں گی۔ راستہ سُوجھتا چلا جائے گا۔ جیسے آپ کسی کو کہیں کہ یہاں سے کراچی ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہے۔ پھر آپ اس کو سڑک بتائیں کہ اس پر چلنا شروع کرو۔ راستہ منکشف ہوتا چلا جائے گا۔ پس ——— فاذکرونی اذکرکم ——— میرے ذکر میں لگ جاؤ۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ میری یاد میں لگ جاؤ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے بتایا ہے ان کے بتائے ہُوئے طریقے کے مطابق میری یاد میں لگ جانا۔ اپنے جی سے گھڑ کر نسخے نہ بنانا۔ جیسے علماء حق اور مشائخ کتابوں کو پڑھنے کے بعد اور نسخوں کو استعمال کرنے کے بعد تمہیں نسخہ بتائیں۔ اس کے مطابق ذکر کرنا ——— جیسا کہ "حزب البحر" کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں: ذکر بھی دواؤں کی طرح ہے۔ تریاق کی طرح ہے۔ اس کی بھی ایک DOZ AGE ہوتی ہے۔ ایک مقدار ہوتی ہے

مختلف لوگوں کے لیے اس کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ بعض حالتوں میں ذکر اگر حدود سے متجاوز ہو جائے تو نقصان دہ ہوتا ہے، اس لیے کہ بتائے ہوئے طریقے سے نہیں کیا بلکہ اپنے جی سے گھڑ کر شروع کر دیا۔ یہ بات یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے کوئی آدمی کسی کیمسٹ کی دکان پر جائے اور بے تحاشا بوتلیں اٹھا اٹھا کر منہ کو لگائے اور دوائیں بے حساب پیتا چلا جائے، تو اسے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح ذکر کا جو دواخانہ ہے۔ اس کے بھی ڈاکٹر ہیں، اطبّا ہیں جو دواؤں کی تاثیروں کو سمجھتے ہیں۔ اگر اتنا وقت نہ ہو تو حضور علیہ السّلام نے جو بتا دیا کہ ۳۳ دفعہ سُبحان اللہ۔ ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھو۔ بس یہی پڑھا کرو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ڈاکٹر کہتا ہے کہ یہ تین گولیاں کھاؤ اور وہ چار کھانا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان حکمتوں کو سمجھتے تھے۔ اسلیے ان کی بتائی ہوئی مقدار پر کم از کم اتنا ایمان تو لاؤ جتنا ڈاکٹر کی بتائی ہوئی مقدار پر ایمان رکھتے ہو۔ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ چار گولیاں کھائیں اور بغیر اسکی علّت معلوم کیے چار گولیاں ہی کھاتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ یقین کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بتائی ہوئی مقدار پر ایمان لانا چاہیے۔ اس کی علّت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

اس میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بعض لوگ آتے ہیں۔ جب ہم انہیں کہتے ہیں کہ سُبحان اللہ پڑھا کرو، سُبحان اللہ وبحمدہ بڑا وظیفہ ہے تو وہ یوں دیکھنے لگتے ہیں جیسے ہم نے انہیں ٹرخا دیا ہو۔ اگر انہیں کوئی لمبی چوڑی غیر مسنون عبارت بتا دی جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ زبردست وظیفہ بتایا ہے۔

ہمارے حضرات نے بتایا۔ دیکھو یہ بڑی گستاخی اور بے ادبی کی کیفیت ہے جو اُن پر طاری ہے۔ دُوسرے لفظوں میں ایسے لوگوں کے قلب و ذہن پر یہ بات طاری ہو رہی ہے کہ حضور کا بتایا ہوا وظیفہ کچھ نہیں ہے۔ اور ان کے خادموں کے بتائے

ہوئے وظیفے حضور کے بتائے ہوئے وظیفوں سے افضل ہیں۔ جبھی تو وہ یوں دیکھ رہے ہیں کہ یہ تم نے کیا بنا دیا؟ اس پر ایمان ہونا چاہیے کہ حضور کے بتائے ہوئے وظیفے تمام اولیاء کے بتائے ہوئے وظیفوں سے اولیٰ اور افضل ہیں۔ جب تک یہ ایمان نہیں ہوگا اس وقت تک بارگاہِ رسالت میں ادب ناقص رہے گا۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ جن وظیفوں کو اولیاء اللہ نے کمایا ہے، ان پر ان وظائف کے انوار نازل ہوتے ہیں اور ان کی صحبت سے وہ انوار بڑی سہولت سے منعکس ہونے لگتے ہیں۔ اس لیے اس بارے میں افراط و تفریط کا راستہ اختیار نہ کرنا چاہیے۔

فرماتے ہیں: فاذکرونی —— تم میری یاد میں لگ جاؤ۔ اور یاد میں اس طرح لگ جاؤ۔ جس طرح حضور کے ذریعے میں نے سکھا دیا ہے۔

—— اذکرکم —— میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور یوں آپس میں ہمارا تعلق قائم ہونے لگے گا۔

دیکھیے حدیث قدسی ہے: کہ جو شخص مجھے خلوت میں یاد کرتا ہے میں اسے جلوت میں یاد کرتا ہوں۔ جو مجھے محفل میں یاد کرتا ہے، میں اس سے بہتر محفل میں اسے یاد کرتا ہوں۔ یوں اللہ سے تعلق پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جو وعدے اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں اور ذکر کے بعد جو نتیجے مرتب کرنے کا ذکر فرماتے ہیں، انہیں غور سے پڑھنا چاہیے۔ فاذکرونی۔ ذکر کرو گے تو کیا حاصل ہوگا؟ واضح طور پر کہا —— اذکرکم —— میں بھی تمہیں یاد کیا کروں گا۔ دیکھیے یہ کتنی اہم بات کہ جب اللہ کہتے ہیں یہ کام کرو تو اس سے یہ نتیجہ مرتب کروں گا۔ یہ نہیں کہا تم مجھے یاد کرو گے تو تمہیں کشف ہونے لگے گا۔ یہ نہیں کہا کہ مجھے یاد کرو گے تو تمہیں تصرف کی طاقت دے دوں گا۔ اس سے جو معاہدہ ہوا ہے اس کی شرائط کو غور سے دیکھنا چاہیے اور اس معاہدے کی روشنی میں ہی امیدیں باندھنی چاہئیں۔ اگر کوئی شخص اس معاہدے سے ہٹ کر اپنے جی سے گھڑ گھڑ کر

تمنائیں اور آرزوئیں کرنے لگے تو بعض حالتوں میں یہ آرزوئیں پُوری نہیں ہوتیں، تو وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے بدگمان ہونے لگتا ہے۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ تم یاد کرو تو کشف ہونے لگے گا، تسخیر ہونے لگے گی، تصرّف کی قوّت حاصل ہوگی۔ یہ کچھ نہیں کہا بلکہ فرمایا: **اذکرکم**۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔

اس میں بہت بڑی حکمت ہے۔ دوستو! میں کشف سے انکار نہیں کر رہا۔ اولیاء کو کشف ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ سے کرامتیں بھی صادر ہوتی ہیں۔ تصرّف بھی ہوتا ہے۔ تسخیر بھی ہوتی ہے۔ مگر اس کا وعدہ نہیں ہے اور نہ مقصود و مطلوب ہے۔ کیونکہ ان باتوں کی ہر ایک میں صلاحیّت نہیں ہوتی۔ معاہدے میں یہ شرط نہیں لکھی کہ جو مجھے یاد کرے گا اسے کشف ہونے لگے گا۔ اس لیے یہ توقع رکھ کر ذکر کرنا کہ مجھے کشف ہونے لگے غلط بات ہے۔ پس ذکر کرتے ہُوئے سالک ایک ہی بات کی آرزو کر سکتا ہے۔ یعنی جو بات معاہدے میں لکھی ہوئی ہے ــــ **اذکرکم** ــــ کہ اب اس کے ہاں بھی میری یاد ہونے لگے گی۔ اس کا لمس میں محسوس کروں گا۔

حدیثوں میں استخارے کی جو نماز لکھی ہوئی ہے اس میں صرف یہ لکھا ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد یہ دُعا مانگا کرو، بُرا کام ہوگا تو اللہ تعالےٰ روک لے گا۔ اچھا کام ہوگا تو خدا تمہارا ممدّ و معاون ہوگا۔ تُم نے اپنے جی سے گھڑ لیا کہ خواب آئے گا اور جب نہیں آتا تو پریشان ہوتے ہو۔ استخارے کی احادیث میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ نمازِ استخارہ کے بعد خواب آئے گا۔ یہ بات ہم نے اپنے جی سے گھڑ لی ہے۔ احادیث سے واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کام میں خیر ہو تو اللہ تکوینی طور پر ممدّ و معاون ہوتے ہیں۔ اگر کام میں شر ہو تو تکوینی طور پر رکاوٹیں ڈال دیتے ہیں۔ خواب آنے کا وعدہ تو تھا نہیں۔ جب بعض حالتوں میں کوئی خواب نہیں آتا تو انسان نمازِ استخارہ ہی سے بدگمان ہونے لگتا ہے۔ اگرچہ زبان سے نہیں کہتا۔ مگر اُس کے ذہن میں یہ بات پیدا ہونے

لگتی ہے کہ استخارے کی نماز سے فائدہ تو کچھ نہیں ہے لہٰذا استخارے سے بدظن ہوا۔ بدظن ہونے سے حضور کی محبت میں کمی آئی۔ ایمان ناقص ہوا۔ مذہب سے دور ہوا۔ کہاں تک بات جا پہنچی۔ صرف اس لیے کہ ایک بات جو مشروط نہ تھی اور حدیث کی کسی کتاب میں لکھی ہوئی نہ تھی وہ تم نے حضور کے نام لگا دی کہ خواب آئے گا۔ استخارہ تمام صحابہؓ کیا کرتے تھے۔ صبح فیصلہ ہوا کہ فلاں جگہ جانا ہے۔ اسی وقت دو رکعت نماز پڑھتے اور استخارے کی دعا اللھم انی استخیرک بعلمک مانگتے تھے۔ سفر پر روانہ ہو جاتے تھے۔ اگر سفر میں شر ہو تو انسان کو روک لیا جاتا ہے۔ راستے میں سواری نہیں ملتی یا کچھ اور موانع پیش آ جاتے ہیں۔ پس جو بات آیت میں مذکور ہے اسی کی تمنا کرو، اور اس کے ذکر میں لگے رہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

پچھلی دفعہ ایک آیت کی تشریح کر رہا تھا اور وہ تشریح ادھوری رہ گئی۔ سورۃ البقرہ کی آیت تھی: کما ارسلنا فیکم رسولاً ....

اللہ تعالیٰ اپنا ایک احسان جتا رہے ہیں کہ دیکھو ہم نے تمہارے لیے تمہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جس سے تمہیں فیضان حاصل ہوتا ہے اور یہ فرمایا کہ وہ اللہ کی آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں، تمہارا تزکیہ کرتے ہیں اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔

سورۃ الجمعہ میں بھی فرمایا:

یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں بھی دو جگہ یہی بات کہی:

یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم ـــــــ یزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ۔

معلوم ہوا کہ یہ کوئی بہت اہم بات ہے کہ جسے آل عمران میں بھی، سورۃ الجمعہ میں بھی اور سورۃ البقرۃ میں بھی دُہرایا گیا۔ تو معلوم ہُوا یہ مقام قرآن کے اُن مقامات میں سے ہے جن پر غور اور خوض کرنا چاہیے۔

اُستاد یا شیخ جس سے ہم دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں یا جس سے ہم فیض حاصل کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں نائب رسولؐ ہوتا ہے اور نیابت کا تقاضا یہ ہے کہ نائب کے اندر اس کی خصوصیات ہوں جس کی وہ نیابت کر رہا ہو۔ شیخ ایسا ہونا چاہیے جو قرآن مجید کو اپنی تعلیمات کا مرکز بنائے اور ایسا نہ ہو کہ غیر معصوم انسانوں کی تعلیمات کو اپنے نظریات کا مرکز و محور ٹھہراتا ہو۔

پہلی بات یہ فرمائی کہ جو پیغمبر کے نائب ہوں، جو وارثینِ مسندِ نبوّت ہوں یا وارثینِ نبوّت کی نقالی کرتے ہوں، اُن میں پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہیے: یتلوا علیھم آیاتہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی تعلیمات کا مرکز و محور ٹھہرائیں۔

جب لوگ پُوچھیں کہ شیخ کس کو بنائیں ترجی سے گھڑ کر اس کے خصائص نہیں بتانے چاہئیں۔ اس کے خصائص کتاب اللہ میں لکھے ہُوئے ہیں۔ حدیث میں ہے: العلماء ورثۃ الانبیاء۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ پس وارث میں اسی کے محاسن اور شمائل ہونے چاہئیں جس کی مسندِ وراثت پر وہ بیٹھا ہوا ہے۔ اگرچہ رسولؐ اور نائب رسولؐ میں محاسن کے اعتبار سے ایک اور لاکھ کی نسبت ہو۔ گو ذرّے اور پہاڑ کی نسبت ہو۔ مگر نیابت اور وراثت کا تقاضا ہے کہ اُسی کے نقشِ قدم پہ چلے۔

فرماتے ہیں: یزکیکم۔ وہ تمہارا تزکیہ کرے، وہ تمہاری رُوح کی سیاہیوں کو دھو ڈالے۔ وہ تمہارے برتن کو مانجھے۔ اُس کے پاس بیٹھنے سے بہیمیت مغلوب ہو

آدمی کی جو درندوں کی صفات ہیں، چوپایوں کی صفات ہیں وہ مغلوب ہو جائیں اور ملکیت غالب آجائے۔ اس کے پاس بیٹھنے سے آدمی اللہ کے قریب ہونے لگے، دُنیا کے دھندوں اور دُنیا کے کاموں کی محبت مغلوب ہونے لگے۔ فرمایا: یزکیکم تمہارے دلوں کی سیاہیوں کو دھوتا ہے۔ وہ تم پر ملکیت کو غالب کرتا ہے۔ یہ ایک نشانی بتائی۔ وہ تم پر فیضان نازل کرتا ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا کہ کسی مجلس میں جانے سے اگر آدمی کا دو چار مہینوں میں تزکیہ نہ ہو تو اس کو دُوسری مجلس اختیار کرنی چاہیے۔ اور شیخ کو محبت سے رخصت کرنا چاہیے کہ نہیں مجھ سے طبعی مناسبت نہ تھی۔ اس لیے مجھ سے نہیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا۔ اس میں کوئی جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا معاملہ ہوا۔ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو واضح طور پر کہہ دیا:

"إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ــــــ آپ کا رنگ دوسرا ہے میرا دوسرا۔ ہم دونوں نہیں چل سکیں گے۔ اگر حضرت موسیٰؑ کو حضرت خضرؑ کہہ سکتے ہیں کہ "هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ" ــــــ تو کس کا مقام ہے کہ کسی کو کہے تم میرے ہاں ہی آیا کرو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "الارواح جنودٌ مجنّدة ــــــ دیکھو روحیں جو ہیں لشکروں کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں "ما تعارف منہا" جن کی آپس میں طبعی مناسبت ہوتی ہے "ائتلف" ــــــ ان کی آپس میں محبت ہو جاتی ہے، اتحاد ہو جاتا ہے، جن کی آپس میں مناسبت نہیں ہوتی انھیں آپس میں اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔

شیخ وہ ہے کہ انسان اس کے پاس بیٹھے تو کم از کم ان لمحوں میں اُسے خدا یاد آئے۔ یہ نہیں ہوتا ہے کہ دو چار دن ہی میں سب باتوں کا پتہ چل جائے۔ اگر آدمی کی روح بیمار ہے تو ان باتوں کا پتہ چلنے میں کچھ مدت لگ جاتی ہے۔

پھر فرمایا:- "یعلمکم الکتاب والحکمۃ ـــــ کہ شیخ ایسے آدمی کو پکڑو جو تمہیں تعلیم قرآن دے۔ اس کے پاس بیٹھنے سے قرآن کی معرفت حاصل ہو، دین کا فہم پیدا ہو۔ اپنے تجربے کی بنا پر عرض کر رہا ہوں۔ یہ دور بہت انحطاط کا دور ہے ایسا شیخ جو بیک وقت روحانی تزکیہ بھی کرے، کتاب کی تعلیم بھی دے، حدیث کی تعلیم بھی دے، فقہ کی تعلیم بھی دے اور استنباط، استشہاد اور استخراج کا فہم بھی عطا کرے اس دور میں عنقا ہو گیا ہے۔ بعض لوگ بیٹھے رہتے ہیں کہ ایسا آدمی ملے جس میں بیک وقت یہ تمام محاسن اکٹھے ہوں۔ یہ بھی غلطی ہے۔ یہ بہت انحطاط کا دور ہے۔ اکثر حالتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ تجوید قرآن کہیں سے سیکھنی پڑتی ہے۔ تزکیہ روحانی کے لیے الگ شیخ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کا علم حاصل کرنے کے لیے کسی اور کے دروازے پر جانا پڑتا ہے۔ مجھے یاد ہے نوجوانی میں میں ادب پڑھتا تھا، فلسفہ پڑھتا تھا، دین کی کتابیں کم پڑھتا تھا۔ مجھ پر جب اللہ نے کرم کیا اور اس کے راستے پر چلنے کا شوق جی میں پیدا ہوا تو میں بہت دیر منتظر رہا کہ کوئی ایسا آدمی مل جائے جو تزکیہ بھی کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم بھی دے۔ میں نے حضرت والد علیہ الرحمہ سے ذکر کیا کہ میں ایسے شیخ کی تلاش میں ہوں تو انھوں نے فرمایا: ابو بکر! تم غلطی کر رہے ہو، تمہیں ایسا آدمی نہیں ملے گا۔ مختلف دروازوں سے جا کر بھیک مانگو۔ یہ قحط الرجال کا زمانہ ہے۔ جسے تزکیہ کی حقیقت معلوم ہے وہ علم تفسیر اور علم حدیث سے ناآشنا ہے۔ جو علم تفسیر و حدیث جانتا ہے وہ روحانی تربیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ انحطاط کا دور ہے دوستو! وہ آدمی بڑا خوش قسمت ہے جس کو ایسا آدمی مل جائے جو قرآن سکھائے، دین کا فہم عطا کرے، ذکر کے اسباق بھی دے، جس کے پاس بیٹھنے سے فیضانِ الٰہی کی حقیقت بھی سمجھ میں آئے۔

قرآن مجید میں کہیں تزکیہ کا ذکر پہلے ہے اور تعلیم کتاب و حکمت کا بعد میں اور کہیں تعلیمِ کتاب و حکمت کا ذکر پہلے ہے اور تزکیہ کا بعد میں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کبھی تعلیمِ کتاب و

حکمت پہلے ہوتی ہے اور تزکیہ بعد میں ہوتا ہے۔ کبھی تزکیہ پہلے ہوتا ہے اور تعلیم کتاب وحکمت کی توفیق بعد میں ہوتی ہے اور کبھی دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہ تین صورتیں ہیں۔ ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت سالک کو پیش آتی ہے۔ جیسا کہ بعض اکابر مشائخ نے مجھ سے فرمایا کہ اس دور میں بہترین صورت یہی ہے کہ تزکیہ اور کتاب وحکمت کی تعلیم کو ساتھ ساتھ چلایا جائے۔ یہ دور اس قدر الحاد، زندقت اور مادیت کا دور ہے کہ اگر کتاب وحکمت کی تعلیم تزکیہ روحانی کے بغیر حاصل کی جائے تو طالب علم کے لیے گمراہی کا شدید خطرہ ہے اس لیے بزرگوں نے کہا اس دور میں ظلمت کا غلبہ ہے اس لیے ذکر کے اسباق اور کتاب وحکمت کی تعلیم ساتھ ساتھ ہونی چاہیے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں: "فاذکرونی اذکرکم" ــــ ذکر کا لفظ بہت جامع استعمال فرمایا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ مسلم شریف میں ہے: "افضل الکلام اربع۔ سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر" ــــ سب سے افضل ذکر کے کلمات یہ چار ہیں۔ مسند امام احمدؒ میں حدیث یوں ہے۔

"افضل الکلام بعد القرآن اربع"۔ یعنی قرآن مجید کے بعد یہ چار ذکر افضل ہیں۔ یہ روایت بڑی اہم ہے۔ لا الٰہ الا اللہ۔ افضل الذکر ہے۔ پھر قرآن مجید میں ہی فرمایا: "اقم الصلوٰۃ لذکری" ــــ نماز میرے ذکر کے لیے قائم کرو۔ نماز ذکر کی بہترین صورت ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ"۔ جب تمہیں جمعہ کے روز نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکے ہوئے چلے آؤ۔ نماز کو "ذکر اللہ" کہا۔ قرآن کو "الذکر" فرمایا: "انا نحن نزلنا الذکر" ہم نے اس ذکر کو نازل کیا پس تسبیح وتحمید، تہلیل اور تکبیر بھی ذکر الٰہی ہے نماز بھی ذکر ہے، قرآن مجید کی تلاوت بھی ذکر ہے اور "فاذکرونی" میں یہ سب کچھ شامل ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رہ فرماتے ہیں اس راستے میں جب تک نفس فنا نہیں ہوتا، "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کے ورد کی کثرت سے سلوک کی منازل تیزی سے طے ہوتی ہیں۔ جب نفس فنا ہو جائے تو نماز نوافل کی بات کر رہا ہوں، فرض اور سنتیں تو کسی حالت میں نہیں چھوڑی جا سکتیں) اور قرآن مجید کی تلاوت سے قرب کی منزلیں تیزی سے طے ہوتی ہیں۔ حضرت مجدد رہ نے مکتوبات میں فرمایا:۔

"غایت مقامات العابدین حقیقت الصلوٰۃ" عابدین کے مقامات کی انتہا نماز میں فنا ہونا ہے۔ نماز ذکر کی PURIFIED FORM ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں شروع میں فائدہ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے جب نفس فنا ہونے لگے تو اس وقت نوافل سے فائدہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت سے فائدہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید افضل الکلام ہے اس لیے کہ کلام الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس میں فنا ہونے سے اللہ کا قرب اور وصل حاصل ہوتا ہے۔ اس راستے میں جب آدمی پڑتا ہے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب تک انسان کے نفس پر نفسانیت کا غلبہ ہوتا ہے قرآن آدمی کو بدمزہ معلوم ہوتا ہے۔ آدمی زبان سے نہیں کہتا مگر اسے پڑھتے ہوئے اسے لذت نہیں آتی۔ لذت اس لیے نہیں آتی کہ کلام غیر جنس ہے۔ طبعی مناسبت نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ نفسانیت کا غلبہ ہو، نورانیت اور صفت الٰہی سے مناسبت نہ ہو تو تلاوت سے انسان کو لطف نہیں آسکتا۔ جب اُسے طبعی مناسبت ہو جاتی ہے تو پھر کلام الٰہی کے علاوہ کوئی چیز اسے اچھی نہیں لگتی۔ بزرگوں کے حالات میں اکثر لکھا ہوتا ہے کہ آخری عمر میں سماع حضرت نے چھوڑ دیا۔ اور ان کو قرآن مجید کے سوا ہر آواز کتے کی کائیں کائیں معلوم ہوتی تھی۔

حضرت مجدد صاحبؒ نے "لا یمسہ الا المطہرون" کی عجب تشریح فرمائی ہے۔
فرماتے ہیں۔ قرآن کو صرف وہی لوگ مس کرتے ہیں جنہیں پاک کر دیا گیا ہو سے مراد یہ ہے
کہ جن کو نفسانیت سے پاک کر دیا گیا ہے وہی قرآن مجید کے انوار کو لمس کر سکتے ہیں ــــــ

فرمایا:۔ "فاذکرونی" ــــ میرا ذکر کرو اس طریق سے۔ لا الہ الا اللہ۔ سبحان اللہ
الحمد للہ، اللہ اکبر کا ذکر کرو۔ جب حالت بہتر ہو تو قرآن مجید کی تلاوت اور
نوافل پر توجہ زیادہ صرف کرو۔

پھر فرماتے ہیں:۔ "واشکروا لی ولا تکفرون" ــــ میرا شکر ادا کرو۔
دیکھئے "ذکر" کے ساتھ اکثر "شکر" کا لفظ آیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام دُعا مانگتے تھے:۔

"رب اعنی علیٰ ذکرک وشکرک وحسن عبادتک"

اے میرے پروردگار! میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر کروں اور تیرا شکر کروں اور
تیری عبادت حسن سلیقہ سے کروں۔ یہاں بھی دیکھئے "ذکر" اور "شکر" ساتھ ساتھ آئے ہیں
گویا "حُسن عبادت"، "ذکر" اور "شکر" کے یکجا ہونے سے عبارت ہے۔ اس سے ثابت
ہوا کہ ذکر اور شکر کا آپس میں ایک تعلق ہے۔

قرآن مجید میں ہے:۔

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ــــ" پیدا نہیں اس لیے کیا کہ تم
میری بندگی کرو ــــ اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ میری زبان تیرے
نام سے ہل رہی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو گالیاں دیتے پھرتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جن
کو تیرا نام لینا نصیب نہیں ہوتا۔ صبح سے رات تک خرافات میں لگے رہتے ہیں۔
شطرنج کھیلتے ہیں، کتنے بوڑھے ہیں جن کو آپ دیکھتے ہیں کہ گلی میں بیٹھے تاش کھیلتے رہتے
ہیں اور اللہ کا نام لینا انہیں نصیب نہیں ہوتا اور نہ انھیں یہ احساس ہوتا ہے کہ موت

ان کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ انسان بڑا کم ظرف ہے۔ چند روز ذکر کرتا ہے تو سمجھتا ہے اُس نے بڑا تیر مارا ہے۔ سمجھتا ہے میں ولی ہو گیا، قطب ہونے لگا ہوں۔ یہ اس کی نالائقی ہے کہ ساری عمر غفلت میں رہا اور چند روز ذکر کرتا ہے تو اس کی چال بدلنے لگتی ہے، ظرف چھلکنے لگتا ہے اور جی میں خیال آنے لگتا ہے کہ اتنے زور سے ذکر کر رہا ہوں مجھے کشف کیوں نہیں ہوتا، مجھ سے کرامتوں کا ظہور کیوں نہیں ہو رہا! مجھ پر انوار کیوں وارد نہیں ہو رہے؟ آدمی ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اس راستے کی ابجد ہوز یہ ہے کہ اس راستے میں جو کچھ بھی میسر آئے اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور کہے تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ معنی ہیں "واشکروا لی" کے۔ یہ نہ کہے کہ میں مجلس ذکر میں جاتا ہوں، مجھے تو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ یہ تھوڑا فائدہ ہے کہ مجلس ذکر میں چل کر جانے کی توفیق ہوئی اور یہ وقت اللہ کی یاد میں بسر ہوا۔ فرمایا:۔

"واشکروا لی" ـــــ میرا شکر ادا کرو۔ اس راستے میں ناشکری کے مواقع بے شمار ہیں اور تھڑدلے آدمی کا ظرف چھلکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا:۔

"واشکروا لی ولا تکفرون" ـــــ کفرانِ نعمت مت کرو۔ ولا تکفرون کا تعلق اوپر تک ساری آیت سے ہے کہ ہم نے تمہارے پاس اپنا پیغمبر بھیجا یہ تم پر کتنا کرم کیا۔ اس پر تم میرا شکر کرو۔ وہ پیغمبر تمہی میں سے بھیجا جس سے تمہیں طبعی مناسبت تھی، اس پر بھی میرا شکر ادا کرو وہ تمہارے دلوں کی سیاہیاں دھوڈالتا ہے اور اس کی بدولت تم پر انوارِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو۔ وہ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو۔ اللہ کے ذکر کی جو توفیق تمہیں میسر آ گئی ہے اس پر بھی اس کا شکر ادا کرو، کفرانِ نعمت مت کرو۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا کہ اگر تمہیں ایسا شیخ میسر آ جائے جس سے تمہیں طبعی مناسبت بھی ہو، جو تمہارا روحانی تزکیہ بھی کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم بھی دے اور جس کے پاس بیٹھنے سے ذکر الٰہی کی

حقیقت بھی تمہیں سمجھ میں آجائے تو یہ اللہ کا تم پر بہت بڑا احسان ہے اور اللہ کے اس احسان پر جس قدر بھی اس کا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

بات ادھوری رہ گئی۔ انشاء اللہ اگلی دفعہ عرض کروں گا،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

باسمہ

میں نے گذشتہ جمعرات بھی یہ آیت پڑھی تھی۔ کما ارسلنا فیکم ــــ تفسیر کے بعض نکات باقی رہ گئے تھے وہ عرض کرتا ہوں۔ یہ عرض کر رہا تھا کہ مبلغ نائب رسولؐ ہوتا ہے اور جس کی نیابت کی جائے نائب میں جس قدر اس کی صفات بدرجۂ اتم ہوں گی اسی قدر وہ اچھا نائب ہوگا۔

آیت کے اس ٹکڑے پر آپ غور کیجئے :۔ یتلوا علیکم آیاتنا ــــ

آیت پر جب اور غور و خوض کیا گیا تو پتہ چلا کہ شیخ کا کام صرف یہی نہیں کہ وہ صرف اپنا تلفظ ہی درست کرے بلکہ آیات پڑھ کر معاشرے کو سنائے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی اور رعایت نہ کرے۔ اس بارے میں فرماتے ہیں۔ یتلوا علیکم آیاتنا۔ کہ جو کچھ وحی ہم نازل فرما دیتے ہیں گو وہ معاشرے کے خلاف ہو، روسائے قوم کی پیشانیوں پر اسے سن کر گو شکنیں پڑ جائیں، جنہیں سن کر گو انہیں گالیاں دی جائیں اور ان پر طعن و تشنیع کی جائے۔ بہر حال وہ آیتیں ان کو سنانی ہوتی ہیں۔ یہ بڑا کٹھن مقام ہے دوستو!

دوسری جگہ حکم دیتے ہیں :۔ اُتل ما اوحی الیک من ربک کہ جو کچھ تمہارا رب جو تمہاری ربوبیت کر رہا ہے اور ارتقائی منازل سے تمہیں گذار کر سید الاولین و سید الآخرین کے مقام تک لے آیا ہے، وہ جو کچھ تم پر وحی نازل کرتا ہے وہ معاشرے

کو سناؤ۔ معاشرے میں ہی وہ لوگ ہوتے تھے جو اپنے فیصلے اپنی ریتوں، اپنے رواجوں، رسموں کے مطابق کرتے تھے اور جب یہ آیت نازل ہوئی :۔ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون "تو حضور علیہ السلام پر یہ فرض عائد ہوا کہ معاشرے کے ان افراد کو جو آیتیں ان کے خلاف نازل ہوئی ہیں واضح طور پر سنا دیں "۔اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق جو لوگ فیصلے نہیں دیتے یہ سب لوگ نافرمان اور فاسق ہیں" کتنی بڑی ذمہ داری ہے آپ ذرا غور تو کیجئے ؟

" یہ ان کو سنانا پڑے گا فاولئک ھم الظالمون "۔یہی ظالم ہیں۔ پھر یہ سنانا پڑے گا۔ فاولئک ھم الکافرون ۔ یہی لوگ ہیں جو کفر کر رہے ہیں۔ مبلغ کو چاہیے کہ پورے تیس پارے معاشرے کے سامنے رکھ دے۔

حتیٰ کہ اگر اپنے چچا کے خلاف آیت نازل ہوئی تو وہ بھی سنانی پڑی۔ تبت یدا ابی لھب و تب ۔ کہ ابولہب ہلاک ہوا۔ جن آیتوں میں اپنی ذات پر سرزنش ہوئی وہ بھی سنانا پڑیں۔

" عبس و تولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ۔

" تیوری چڑھائی اور رُخ پھیر لیا کہ ایک اندھا آپؐ کی مجلس میں آ گیا۔ مبلغ کو وہ آیتیں جو اپنے خلاف ہیں وہ بھی سنانا پڑتی ہیں دوستو! مبلغ کو چاہیے کہ وہ واضح طور پر لوگوں سے کہہ دے کہ حجت اور سند حضور علیہ السلام کا ہی قول و عمل ہے۔ اپنے نقائص اور عیوب کو جائز قرار دینے کے لیے قرآن کی آیتوں میں تحریف نہ کرے۔ واضح طور پر کہہ دے کہ میرے ذاتی نقص کی بنا پر مسئلے کی نوعیت تو نہیں بدل سکتی۔ مبلغ کی بڑی کٹھن DUTY ہے کہ وہ تیس کے تیس پارے معاشرے کے سامنے رکھے :

" یتلوا علیکم آیاتنا ۔

یہ نہ کرے کہ ان آیتوں کو چھپا جائے جن کے سنانے سے سرزنش کا خطرہ ہو

یا یہ خدشہ ہو کہ پتھر پڑیں گے یا جیل جانا پڑے گا قرآن مجید نے یہودیوں کی مذمت میں کہا تھا۔ تکتمون الحق وانتم تعلمون کہ تم جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپاتے ہو۔

آگے ذکر فرماتے ہیں یزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب تک جذبات کی تطہیر نہ ہو جائے، جب تک جذبات منجھ نہ جائیں اس وقت تک ذہنی انقلاب کوئی چیز نہیں۔

یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ جذبات انسان کے اندر ایک بہت بڑی قوت ہے اور انسانی عقل شدت کے ساتھ اس سے متاثر ہوتی ہے عقل موروثی خصائص سے بھی متاثر ہوتی ہے۔ اقتصادی اور سماجی عوامل سے بھی متاثر ہوتی ہے۔ جذبات واحساسات سے بھی متاثر ہوتی ہے اور عین اس وقت جب کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ میری عقل ٹھنڈی منطق COLD LOGIC کی بنیادوں پر نتیجہ مرتب کر رہی ہے جذبات چور دروازے سے داخل ہو کر عقل کو متاثر کر رہے ہوتے ہیں اور اس کے فیصلے میں جذبات کی آمیزش ہو جاتی ہے۔

جذبات کا ایک طوفان ہوتا ہے جو عقل پر چھا جاتا ہے اور عقل ان جذبات کے حق میں دلیلیں گھڑنے لگتی ہے۔ عقل بیچاری تو جذبات کے ہر جھونکے کے ساتھ بہہ جاتی ہے۔ ہمارے کتنے بھائی ہیں جن کا ذہن مانتا ہے کہ شراب بری چیز ہے، اس کے باوجود ہر شام جھم خانے کھنچے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ جیسے عدم یہ کہتا ہے:۔

توبہ تو کر چکا ہوں مگر پھر بھی اے عدم
تھوڑا سا زہر لا کہ طبیعت اداس ہے

شراب کو زہر کہتے ہیں اور اس کے باوجود پیتے ہیں۔

کتنے لوگ ہیں جن کے ذہن مانتے ہیں کہ ع

دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

اس کے باوجود کوچۂ یار میں سر کے بل جاتے ہیں اور کتنے ہیں کہ جن کی عقل یہ کہتی ہے کہ سود حرام ہے، سود ایک لعنت ہے مگر اس کے باوجود ان کا پورا کاروبار سود میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی عقل تو سود کو لعنت قرار دیتی ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہیے کہ ذہنی انقلاب تو اس کے اندر آ چکا ہے مگر اس کے باوجود وہ سود خواری میں ڈوبا ہوا ہے اس لیے کہ جذبات کی تطہیر نہیں ہوئی پس خیر و شر کا علم حاصل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جذبات کی تطہیر کی جائے۔ یہی معنیٰ ہیں یزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمۃ کے۔

یہ جو قرآن نے بار بار یزکیکم کا لفظ استعمال کیا اس کے معنیٰ یہی ہیں کہ ان کی صحبت سے تم پر اللہ کی رحمت وارد ہوتی ہے جس سے جذبات دھلتے ہیں اور جذبات دھلنے کے بعد تمہاری عقل میں کتاب اللہ ڈالتے ہیں۔ اگر برتن گندہ ہو اور اس میں قرآن ڈال دیں تو قرآن بھی جب باہر آتا ہے تو گندگی سے آلودہ ہوتا ہے، وہ آلودگی ہمارے نفس کی ہوتی ہے، قرآن کی نہیں ہوتی، اس آیت میں یہ بہت بڑی حقیقت بتائی گئی ہے کہ جذبات کی تطہیر کے بغیر تعلیم کتاب و حکمت ناقص ہے۔ اس لیے جب "یعلمکم" کہا پہلے یہ کہا یزکیکم — کہ وہ تمہاری تطہیر کرتے ہیں، برتن مانجھتے ہیں پھر اس میں قرآن کا نور ڈالتے ہیں۔ یہ جتنی آج کل کی درسگاہیں ہیں ان میں تعلیم کا انتظام تو بہت ہے، تزکیہ کا کوئی انتظام نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارا مولوی ضمیر بیچتا ہے، ایمان بیچتا ہے (معذرت چاہتا ہوں) آج کا معاشرے میں کوئی مقام نہیں۔ اگر اس کا تزکیہ ہوا ہوتا تو اس کی روش قلندرانہ ہوتی۔ اس کو کسی کا خوف نہ ہوتا۔ وہ وقت کے فرعونوں سے ہرگز نہ ڈرتا۔ یہ تو ایسی پست سطح پر چلا گیا ہے کہ ایک عام آدمی بھی اس پہ ترس کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کو اپنی قدروں

کا کچھ احساس نہیں ہے، اس کو اپنے ضمیر اور ایمان کا کوئی خیال نہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ۔ یزکیکم — کا حصہ ہم نے حذف کر دیا۔

ایک اور بات جو آیت کو پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سمجھائی وہ یہ ہے کہ "یزکیکم" کا لفظ زکوٰۃ سے نکلا ہے۔ جیسا کہ امام راغبؒ اصفہانی نے "المفردات" میں لکھا ہے "الزکوٰۃ — النمو — زکوٰۃ کا معنیٰ بڑھنا اور پھلنا پھولنا ہے۔ تو تزکیہ کا معنیٰ یہ ہے کسی کو پروان چڑھانا۔ کسی کی نشو ونما کرنا۔ دوستو! یہ بات بھی اسی آیت سے مستنبط ہوتی ہے کہ شیخ کسی کی استعداد کو نہیں بدل سکتا وہ صرف اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے تصوف کا۔

میں چند لفظوں میں عرض کرتا ہوں۔ یہ کہیں نہیں لکھا تیس پاروں میں کہ پیغمبر ان کی استعداد کو بدل دیتا ہے۔ ہر شخص کی اپنی ایک استعداد ہے۔ ایک دفعہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ تو بعد میں مسلمان ہوا اور یہ اتنا آگے نکل گیا۔ میں بہت پرانا مسلمان ہوں۔ آپؐ نے فرمایا — "خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام۔ الناس کالمعادن، معادن الذھب والفضۃ" بھئی اس میں میرا کیا قصور ہے مختلف لوگ ہیں، ان کی مثال کانوں کی سی ہے کوئی سونے کی کان ہے، کوئی چاندی کی کان ہے، اپنی اپنی استعداد ہے، صلاحیتیں ہیں جن کے مطابق تم آگے بڑھتے ہو۔ یاد رکھیے قرآن کے تیس پاروں میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ کسی نبی نے یا ولی نے کسی انسان کی استعداد کو بدل دیا ہو۔ یہ سُنّت اللہ کے منافی ہے۔ بات سیدھی اور صاف ہے، ذہنی استعداد ہر شخص کی محدود ہے۔

ایک شخص جو ذہین نہیں ہے معلّم اسے تعلیم دینے سے ذہین نہیں کر سکتا۔ یاد رکھیے اسی طرح ہر انسان کی ایک روحانی استعداد ہوتی ہے اس روحانی استعداد کو شیخ نہیں بدل سکتا، شیخ کا کام یہ ہوتا ہے کہ جتنی اس کے اندر صلاحیت

INNATE CAPACITY ہے اسے بروئے کار لائے، اس کی نشو و نما کرے۔ یہ کام ہوتا ہے شیخ کا اور یہی کام پیغمبر کرتے رہے، اسی لیے لفظ جو استعمال فرمایا وہ یزکیھم ــــ فرمایا ــ کہ پروان چڑھاتے ہیں، نشو و نما کرتے ہیں، صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔

مبلغ، یا شیخ یا مسندِ وارثِ نبوت کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ قرآن کا علم حاصل کرے، مگر آپ دیکھیں گے کہ اس ساری آیت میں افاضہ (دوسروں تک فیضان پہنچانا) پر زور دیا گیا ہے آیتوں کو سمجھ کر معاشرے تک ان آیتوں کو پہنچانا، خود انوار کا مہبط بن کر فیضان کو دوسروں تک پہنچانا اور تزکیہ کرنا ہے۔ اور خود کتاب اللہ کو اس کی تعلیم دینا ہے۔

بعض لوگ خود بہت صالح ہوتے ہیں مگر ان کی نسبت متعدی نہیں ہوتی، دوسروں تک ان کا فیض نہیں پہنچ سکتا۔ بعض لوگ خود بڑے عالم ہوتے ہیں مگر اس علم کو دوسروں تک پہنچانا، افاضہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ میں نے بعض علماء دیکھے ہیں جو علم کے دریا تھے مگر ان کے طلباء منتیں کرتے تھے کہ ان سے ہمیں نجات دلایئے۔ ان کی کوئی بات ہمارے پلے نہیں پڑتی۔

یہ میں نے مشائخ میں بھی دیکھا۔ بعض لوگ بڑے نیک ہیں ان کی نسبت میں لزوم ہے، اپنے تک محدود ہے، متعدی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کی نسبت میں لزوم ہوتا ہے، تعدیہ نہیں ہوتا۔ وہ شیخ بننے کے قابل نہیں ہوتے۔ شیخ وہ ہے جو فیض آگے پہنچا سکے۔ میں نے بعض مشائخ دیکھے جو اگرچہ تصوف کے ابتدائی اسباق سے آگے نہ جا سکے تھے مگر ان اسباق کا فیض انہوں نے بے تحاشا پہنچایا اور بعض ایسے لوگ بھی دیکھے کہ خود تو منتہی تھے۔ مگر نسبت متعدّی نہ تھی اس لیے دوسروں کو فیض نہ پہنچا سکے۔

پھر فرماتے ہیں۔ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون۔

بعض مجلسیں ایسی ہوتی ہیں جہاں ایسی معرفت حاصل ہوتی ہے جو پہلے حاصل نہیں ہوتی ایسی مجلس نعمت غیر مترقبہ ہے۔

— ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون — جو تم نہیں جانتے تھے وہ معرفت عطا فرمارہے ہیں۔ تو داعی الی اللہ کا کام یہ ہے کہ قرآن کے تیس پارے معاشرے کو سنائے انکا روحانی تزکیہ کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ یہ کام تو ہوا شیخ کا۔ آگے فرماتے ہیں کہ طالب کیا کرے ——

یا ایہا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔

اے ایمان والو! تم بھی جم کر کام کرو، یاد رکھو شیخ تنہا کچھ نہ کر سکے گا۔

استعینوا بالصبر۔ طالب کو بھی چاہیے کہ جم کر کام کرے اور صبر و ضبط سے کام لے۔ شیخ تزکیہ کرتے ہوئے کبھی جراحی کا عمل کرتا ہے دوستو! ڈاکٹر جب نشتر لگاتا ہے ہم اس کو دعا دیتے ہیں کہ تم نے کرم کیا، اندھے آدمی کو جب اس کا شیخ نشتر لگاتا ہے تو گالی دیتا ہے کہ تم نے یہ کیا کیا؟

قرآن مجید دیکھیے خود اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمارہے ہیں۔

قل لا تمنوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان

"آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میرے پاس آکر اپنے ایمان کا احسان مت جتایا کرو، تم نے کوئی مجھ پر احسان نہیں کیا اگر تم نے اسلام کو قبول کیا ہے خدا کے احسان کو مانو، تم اس کے مرہونِ منت ہو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا کی ہے، یہ نشتر ہے، یہ جراحی کا عمل ہو رہا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جراحی نہیں ہونی چاہیے۔ بھئی آپ ڈاکٹری میں سے SURGERY کو نکال دیں ہم طبِ روحانی میں سے اس جراحی کو نکال دیتے ہیں۔ یہ تو سنت اللہ ہے جو طبِ جسمانی اور طبِ روحانی دونوں میں یکساں جاری ہے

اور اس سے بڑی جراحی کیا ہو سکتی ہے۔ سرداران قریش بیٹھے ہیں اور آپ ان سے فرما رہے ہیں لاتمنوا علی اسلامکم ——— اپنے اسلام کا احسان مجھ پر مت جتایا کرو۔

دوستو! اس راستے میں مار کھانی پڑتی ہے جب تزکیہ ہو صبر کرو۔ قرآن کی تعلیم صبر سے حاصل کرو، حدیث اور فقہ کی تعلیم دلجمعی سے حاصل کرو، ذکر میں صبر سے بیٹھو۔ قبض ہو تو بھی صبر کرو، کبھی انوار کا نزول نہ ہو تو بھی صبر کرو، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے آدمی بے کیف بیٹھا ہے، اس وقت طالب کہے ذکر تو اللہ تیرے لیے کرتا ہوں، اس لیے نہیں کرتا کہ چٹخارہ آتا ہے وہ تو لذت پرستی ہوئی، وہ بھی بت پرستی ہوئی، صبر سے کام لو انوار نازل ہوں یا نہ ہوں۔ کیسے بلیغ لفظ فرمائے، استعینوا بالصبر والصلوٰۃ صبر اور نماز سے قرب کی منازل طے کرنے میں مدد حاصل کرو۔ یاد رکھیئے شریعت اور طریقت دونوں کی انتہا نماز ہے۔ یہ بڑی چیز ہے، نماز ساری عبادتوں کا جوہر ہے۔ نماز کے اندر تسبیح، تحمید اور تمجید بھی ہے، اور نماز کے اندر دعا بھی ہے، نماز کے اندر روزہ بھی ہے کہ روزہ میں آپ کھاتے پیتے نہیں ہیں، اختلاط نہیں کرتے ہیں۔ کیا روزے کی تمام برکات شامل نہیں ہیں نماز میں؟ نماز میں حج بھی ہے۔ فول وجهك شطر المسجد الحرام ——— مسجد حرام کی طرف رخ کرو، دل بیت اللہ میں اٹکا ہوتا ہے۔ نماز میں قرآن کی تلاوت بھی ہے۔ جتنا ہم اللہ کا شکر ادا کریں کم ہے۔ ایسی نماز چونکہ حضورؐ کی جوتیوں کے صدقے میں مل گئی ہے اس لیے ہم نے اس کی قدر نہیں کی۔ ذکر، شکر اور صبر ان سب باتوں کا ذکر کرنے کے بعد نماز کی تلقین کی ——— فرمایا واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔

ذکر کی انتہا بھی نماز ہے، شکر کی انتہا بھی نماز ہے۔

بات یہاں آکر ختم ہوئی: "ان اللہ مع الصابرین۔

یقیناً جم کر کام کرنے والوں کو اللہ کی معیت حاصل ہو جاتی ہے۔

شیخ اور طالب صبر و ضبط کے ساتھ اس پروگرام پر عمل کریں، تو فرماتے ہیں کہ میرے قرب کی تمام منزلیں حاصل ہو جائیں گی۔ کتنا مکمل پروگرام دے دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سب باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

باسمہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

کما ارسلنا فیکم رسولاً

میں نے اس آیت پر گزشتہ ہفتوں میں کچھ باتیں عرض کی تھیں۔ یہ وضاحت کی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کام سرانجام دیا اس کا خلاصہ اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ سورہ الجمعہ میں آل عمران میں" دو جگہ سورۃ البقرہ میں انہی باتوں کو دہرایا گیا ہے اور ان کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

حضورؐ تزکیہ فرماتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ جو لوگ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دعوت الی اللہ کا کام کرنا چاہتے ہیں انہیں اپنی تمام توجہ، تمام توانائی اور کوشش اسی بات پر صرف کرنی چاہیے کہ یہ باتیں حاصل ہو جائیں۔ میں جو تشریح پچھلے ہفتوں میں کرتا رہا وہ ایجابی تھی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کے جو سلبی پہلو ہیں (منفی پہلو) ان کی بھی نشاندہی کی جائے۔ عوام کی جو بہت سی گمراہیاں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی کہ قرآن نے جو کسوٹیاں بتائی ہیں ان کسوٹیوں کو چھوڑ کر اپنی کسوٹیاں بنا لیتے ہیں۔ داعی الی اللہ کی صفات تو یہی ہونی چاہئیں جو میں بیان کر رہا ہوں کہ وہ قرآن کی آیتوں کو کھول کھول کر وقت کے فرعونوں سے بے خوف ہو کر وقت کے نمرودوں

سے نڈر ہو کر تیس پارے معاشرے کے سامنے پیش کرے۔ اپنا تزکیہ کرے۔ اپنے دل کی سیاہیاں دھوئے۔ معاشرے کا تزکیہ کرے۔ خود کتاب و حکمت کا علم حاصل کرے اور لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیم دے۔ انسان کی گمراہی یہ ہے کہ یہ کسوٹیاں چھوڑ کر دنیا جہان کے معیار ٹھہرائے۔ اگر کوئی معیار پیشِ نظر نہیں رہتا تو وہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا معیار ہے۔ کس قدر شیطان انسان کو بہکاتا ہے۔ بعض لوگ سادگی سے کہتے ہیں کہ میں فلاں پیر کا مرید ہوں۔ بڑی بھاری گدی ہے۔

دوستو! یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کسوٹی تو وہی ہے جو پچھلے کئی ہفتوں سے بیان کر رہا ہوں۔ جیسے قرآن نے بار بار بیان کیا ہے۔

مریدوں کی کثرت قرآنی نقطہ نظر سے شیخ کی حقانیت کی دلیل نہیں۔ قرآن مجید میں تو یہ لکھا ہے ـــــ واکثرھم للحق کارھون ـــــ انسانوں کو کیا ہو گیا ہے۔ ان میں سے اکثر کو حق بات ناگوار گذرتی ہے ـــــ واکثرھم لا یعقلون ـــــ ان میں سے اکثر عقل سے کام ہی نہیں لیتے ـــــ واکثرھم الفاسقون ـــــ اکثر لوگ جو ہیں وہ سرکش ہو گئے ہیں۔ سورہ ہود کو پڑھیں۔ حضرت نوحؑ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ وما آمن معه الا قلیل ـــــ بہت کم لوگ تھے جو حضرت نوحؑ پر ایمان لائے۔ وہ تو اولوالعزم پیغمبر تھے۔ ان کا مقام اولیاء سے اونچا تھا اور اکثریت نے انہیں جھٹلا دیا۔ اگر قرب و ولایت کا معیار یہی ہے کہ وہاں خلقت کا ہجوم ہوتا ہے تو حضرت نوحؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر کے بارے میں تم کیا کہو گے؟ حضرت نوحؑ نے کہا ـــــ انی دعوت قومی لیلاً و نهاراً۔ فلم یزدھم دعائی الا فراراً ـــــ میں دن رات اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتا رہا۔ میں جس قدر اپنی قوم کو پکارتا رہا وہ مجھ سے بھاگتے چلے گئے ـــــ جعلوا اصابعھم فی اذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا و استکبروا استکباراً ـــــ جب وہ اللہ کی طرف بلاتے تھے تو کانوں میں انگلیاں

ٹھونس لیتے تھے کہ ان کی آواز ہمارے کانوں میں نہ آئے۔ اپنے منہ پر کپڑے ڈال لیتے تھے کہ ان کا چہرہ نظر نہ آئے۔ پھر اصرار کیا اور اکڑ فوں دکھائی کہ جاؤ تمہاری بات نہیں مانتے ــــ کہاں گئی وہ کسوٹی اور وہ معیار کہ جو جتنا بڑا ولی ہوگا اس کے پاس اسی قدر ہجوم زیادہ ہوگا ــــ بل سوّلت لکم انفسکم ــــ یہ بات تو تم نے اپنے جی میں گھڑ لی ہے۔ جی سے کسوٹیاں نہیں گھڑنی چاہئیں۔ اس سے آدمی بھٹکتا ہے۔ گمراہ ہوتا ہے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ اس شیخ کے پاس بیٹھنے سے تزکیہ ہوتا ہے؟ قرآن و حدیث کا فہم حاصل ہوتا ہے؟ قرآن و حدیث کی بات بتاتا ہے کہ من گھڑت قصّے سناتا ہے؟۔ میں سوچ رہا تھا کہ یار لوگوں نے کتنے الٹے سیدھے معیار اپنے جی سے گھڑ لیے ہیں۔

اس آیت پر غور کیجئے۔ یہ نہیں کہا کہ 'یسخرھم' کیا مشکل تھا کہ جہاں یہ کہہ دیا 'یزکیھم' وہ ان کا تزکیہ فرماتے ہیں ــ ساتھ کہہ دیتے۔ ویسخرھم ویتصرف فی قلوبھم ــــ وہ ان کی تسخیر کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں تصرّف کرتے ہیں۔ تسخیر کا عمل اگر کوئی خوبی کی بات ہوتی تو تیس پاروں میں ایک جگہ ہی فرما دیتے۔ جہاں بار بار قرآن نے کہا "یزکیھم" وہ انہیں پاک کرتے ہیں ــــ ویُعلمھم ــــ وہ ان کو علم بخشتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ بھی فرما دیتے ــــ ویسخرھم ــــ ان کو مسخر کرتے ہیں۔ یہ کہیں نہیں فرمایا دوستو!

تصرّف اور تسخیر کا عمل تو اہلِ مغرب بھی کرتے ہیں۔ یہ ہپناٹزم اور مسمریزم بھی تو تسخیر ہی کا عمل ہے۔ یہ قوّتِ ارادی WILL POWER کی مشق کی بات ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ "فتوحاتِ مکیہ" میں اسے ہمتِ باطنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس بات کا للہیت اور تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید تیس پاروں میں کہیں نہیں کہتا ویسخرھم ـــــ یہ کسوٹی نہ تھی۔ یہ بڑے غور کی بات ہے۔ تصرف کرنا کسی کے وجود میں یہ جوگیوں کو بھی حاصل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ جوگیوں کو بھی تصرف حاصل ہوتا ہے۔

یہ نہیں کہا ـــــ ویعلم ما فی صدورھم ـــــ یہ ان کے دلوں کے سارے بھید جان لیتا ہے۔ اہل اللہ کو بھی کشف ہوتا ہے مگر قرآن اسے کسوٹی نہیں ٹھہراتا۔ اس لیے کہ جوگیوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ جب جوگیوں کو بھی کشف ہوتا ہے تو کشف ولایت کی کسوٹی کیوں کر ہوا؟ دوستو! کاہنوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک کاہن جس کا نام ابن صیاد تھا اسے کشف ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے اپنے جی میں ایک سورۃ کا نام رکھا ہے اور ابن صیاد سے کہا بتاؤ کونسی سورۃ ہے۔ آپ نے اپنے جی میں سورۃ الدخان رکھی تھی۔ اس نے کہا الدخ الدخ ـــــ آپؐ نے فرمایا "اخساء فلن تعدوَ قدرك" تو ذلیل ہو تو اپنی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے گا۔ دوستو! کشف اولیاء اللہ کو بھی ہوتا ہے اور جوگیوں کو بھی ہوتا ہے۔ فرشتوں کا کشف شیطان کو بھی جنگِ بدر میں ہوا تھا۔ قرآن مجید میں ہے ـــــ انی اریٰ مالا ترون ـــــ مجھے وہ لشکر اترتے ہوئے نظر آ رہے ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے۔ یہ کہہ کر وہاں سے بھاگا۔ یہ بات سوچنے کی ہے کہ اگر کشف کسوٹی ہے ولایت کی تو قرآن میں لکھا ہے کہ شیطان کو وہ کشف ہوا تھا جو صحابہ کو نہیں ہوا تھا۔ تو کیا شیطان کو ولی اللہ مان لیں گے؟ یہ کچی باتیں ہیں۔

ذرا غور کیجئے۔ جو گندا ہو۔ غلیظ ہو، جس کے کپڑے میلے کچیلے ہوں۔ عقل اس کی کام نہ کرتی ہو۔ کہتے ہیں یہ ولی ہے۔ قرآن بار بار کہتا ہے واللہ یحبّ

المطّھرین ـــــ اللہ تعالیٰ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ ذہن صاف ہونا چاہیے۔ یا تو کہہ دیجئے کہ کتاب کو اُوپر رکھ دو۔ ہم نہیں مانتے اس کتاب کو۔ اگر ماننا کتاب اللہ کو ہی ہے تو وہ بار بار کہتا ہے ـــــ واللہ یحب المطّھرین ـــــ اللہ تعالیٰ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے "النظافۃ من الایمان" ـــــ صاف ستھرا رہنا ایمان کی نشانی ہے۔ گندگی سے نفرت ہونا ایمان کی نشانی ہے۔ کتنی بڑی غلط فہمی ہے۔ کہتے ہیں اس کو تن بدن کا ہوش نہیں۔ دوستو! اگر تن بدن کا ہوش نہ ہونا خوبی کی بات ہوتی تو سب پیغمبر مدہوش ہوتے۔ مگر کوئی پیغمبر مدہوش نہ تھا۔ تمام پیغمبر باہوش تھے۔ یاد رکھئے ـــــ تزکیہ کا عمل وہی شخص کر سکتا ہے جو خود باہوش ہو۔ دوسروں کا تزکیہ کرنے کے لیے ہوش و آگہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کتاب و حکمت کو سمجھنے کے لیے عقل و ہوش کی ضرورت ہے۔ اور دوسروں کو سمجھانے کے لیے اس سے زیادہ عقل و ہوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قرآنی نقطۂ نظر سے پاک صاف رہنا، ہوش و آگہی کی حالت میں ہونا مدہوش ہونے سے افضل ہے۔

میں انکار نہیں کرتا۔ میں خود تصوف کا طالب علم ہوں۔ اس راستے سے گذرا ہوں، جس طرح ایک ادنیٰ طالب علم گذرتا ہے۔ میں مجذوب کو بھی مانتا ہوں۔ مجذوب کون ہے؟ مجذوب وہ ہے جو سلوک کے مقامات طے کرتے ہوئے راستے میں کسی مقام کی تجلّی اُس پر پڑے اور اس کی لوحِ دماغ جھنجھ جائے، اس کو مجذوب کہتے ہیں۔ مجذوب کا معنی ہے وہ آدمی جس کو کھینچ لیا گیا ہو۔

دوستو! وہ لوگ اس راستے سے ناواقف ہیں جو سرے سے مانتے ہی نہیں کہ کوئی مجذوب ہو سکتا ہے۔ افراط تفریط بڑی چیز ہے۔ قرآن میں لکھا ہے کہ پہاڑ پہ تجلّی پڑی اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے۔ ایک ولی جس کے وجود پہ پے در پے

تجلّیاں وارد ہو رہی ہوں۔ بے ہوش ہو جائے تو اس میں اچنبے کی کیا بات ہوئی؟ وہ تجلی تو پہاڑ پر پڑی تھی۔ کچھ اولیاء اللہ ایسے بھی ہیں جن کے سینے تجلیات کے مہبط ہوتے ہیں۔

مسلم شریف میں ہے۔

حدیث ہی ہے "اذا انزل الیہ الوحی کرب لذلك وتربد وجهه"۔ کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ شدید درد و کرب کی حالت میں ہوتے تھے اور آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔

قالت عائشہؓ۔ ولقد رأیتہ ینزِلُ علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیَفصِمُ عَنہُ وإنَّ جبینَہٗ لیَتَفَصَّدُ عَرَقًا (بخاری شریف)

" وان کان یوحی الیہ وھو علی ناقتہ فیضرب خزامھا من ثقل مایوحی الیہ"۔ (عند البیھقی فی الدلائل) "حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید سردی کے دن آپ پر وحی نازل ہوتی اور جب اس کا سلسلہ منقطع ہوتا تو وحی کی شدت سے آپ کی پیشانی سے بے تحاشا پسینہ بہتا تھا ——— اور اونٹنی پر سواری کے دوران میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو وحی کے بوجھ سے اونٹنی کی رفتار میں فرق پڑ جاتا تھا"

اگر ختم المرسلینؐ اور سیّد الکونینؐ کے چہرے کا رنگ بدل سکتا ہے اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو سکتے ہیں تو ایک غریب ولی اگر بے ہوش ہو گیا ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہوئی۔

مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ سیّد المرسلینؐ پر جب تجلیاں پڑیں تو ہوش کی حالت میں رہے۔ حضورؐ کی کیفیت حضرت موسیٰؑ کی کیفیت سے افضل ہے۔ اس لیے ہوش میں رہنا بے ہوش ہونے سے افضل ہے۔

دوستو! میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ مجذوب بیچارہ معذور ہوتا ہے۔ اس کی لوح دماغ مسخ ہو جاتی ہے۔ وہ معذور آدمی ہے۔ وہ کسی کی تربیت کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اس لیے تمام اولیاء اللہ کا اتفاق ہوا کہ مجذوب کے پاس مت بیٹھو۔ وہ غیر ذمہ دار ہے۔ مرفوع القلم ہے۔ اس سے کوئی باز پرس نہیں ہے۔ جیسے ایک پاگل سے باز پرس نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جونہی ایک انسان مجنون ہوتا ہے فرشتے اس کا نامۂ اعمال اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی معنی ہیں مرفوع القلم ہونے کے۔

اہل اللہ کا اتفاق ہے کہ مجذوب کے پاس بیٹھنا ضرر رساں ہو سکتا ہے۔

پھر غور کیجئے۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ وہ سب کیفیتیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہیں قرآن ان کو بیان کرتا ہے۔

قرآن مجید پیغمبر کے یہ اوصاف تو بیان کرتا ہے کہ وہ تزکیہ کرتا ہے کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے مگر یہ کہیں نہیں لکھا ہوا کہ وہ ان پر سکر طاری کر دیتا ہے۔ مدہوشی طاری کر دیتا ہے۔ یہ بات بھی کہی جا سکتی تھی۔ اس میں کیا مشکل تھی۔ دیکھئے قرآن مجید پر غور کیجئے وہ سب کیفیتیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ تھیں وہ سب قرآن مجید میں لکھی ہوئی ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے ـــــ تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله ـــــ یہ کیفیت مومنین پر طاری ہوتی ہے کہ قرآن سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ ان کے دل اللہ کے ذکر سے جاری ہو جاتے ہیں ـــــ و اذا تتلى عليهم آياتنا خروا سجدا وبكيا ـــــ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو بے ساختہ سجدوں میں گر جاتے ہیں اور گریہ وزاری کرتے ہیں۔ ـــــ ترى اعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق ـــــ آپ دیکھیں

لگے کہ عرفانِ حق کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے ہوں گے۔ اہلِ ایمان و ولایت کی کیفیتیں تو قرآن میں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ نہیں لکھا تیس پاروں میں کہ ــــ و ھم یرقصون ــــ جہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ ان کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں وہاں یہ بھی لکھا جا سکتا ہے کہ "ھم یرقصون" وہ رقص کرنے لگ جاتے ہیں۔

غور کیجئے! تیس پاروں میں کسی ایک جگہ یہ کہنا کیا مشکل تھا کہ ھم یرقصون۔ وجد میں آکر ناچنے لگ جاتے ہیں۔ صحاح ستہ میں کہیں نہیں لکھا۔

دوستو! میں یہ جانتا ہوں کہ سالک پر جب تجلّی پڑتی ہے تو بعض سالک رقص کرتے ہیں۔ وہ معذور ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ بات امام ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ کی گیارہویں جلد میں لکھی۔ لکھتے ہیں۔ تابعین میں بہت سے ایسے ہوئے ہیں جو بیہوش ہوئے ــــ فیھم الاضطراب والاختلاج والاغماء ــــ میں جانتا ہوں کہ تابعین میں سے لوگ بیہوش بھی ہوتے رہے، اضطراب کی کیفیت بھی ان پر طاری ہوئی ــــ فرماتے ہیں ھم معذورون ــــ میں انہیں معذور جانتا ہوں۔ جتنی سخت تنقید تصوف پر امام ابن تیمیہؒ نے کی کسی نے نہیں کی۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں میں ان لوگوں کو ہزار درجے ان سے افضل مانتا ہوں جن کی حالت یہ ہے ــــ فویلٌ للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ ــــ جن کے دلوں پر قساوت طاری ہے۔

قرآن مجید نے اہل اللہ کی جو کیفیتیں بیان کر دی ہیں ہر کتاب اللہ پر ایمان رکھنے والے کو اپنے جذبات کو ان ہی کیفیتوں میں مقیّد کرنا چاہیے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ

والسلام علی رسولہ الکریم

اس دُنیا میں
اللہ کا قانونِ جزا و سزا

حضرت مولانا سید ابوبکر غزنوی رحمتہ اللہ علیہ

فاران اکیڈمی
قذافی سٹریٹ ◎ ۲۰ اردو بازار لاہور

جملہ حقوق محفوظ

قاسم محمود

فاران اکیڈمی ۱۷۔ اردو بازار لاہور نے

باجازت ورثائے سید ابوبکر غزنوی مرحوم شائع کی

اشاعت ثانی : جولائی ۱۹۹۵

تعداد اشاعت: ۶۰۰

قیمت :

۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

"یہ تقریر کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، لاہور میں "مجلس فکر و عمل" کے زیر اہتمام ۴، فروری ۱۹۷۲ء کو کی گئی۔ تقریر کو موصوف نے خود قلمبند کیا ہے۔"

صاحبِ صدر گرامی قدر! خواتین و حضرات!

میں نے یہاں آنے سے پہلے اپنے بعض احباب سے جو اس کالج میں ہیں، مشورہ کیا کہ کیا موضوعِ سخن ہو؟ طے یہ پایا کہ بات اس موضوع پر کی جائے کہ اس دُنیا میں کیا اللہ کا کوئی قانونِ جزا و سزا ہے؟ سب سے پہلا سوال جو ہمارے ذہنوں میں اُبھرتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ دُنیا جس میں ہم بس رہے ہیں، یہ زندگی جو اس وقت ہم گزار رہے ہیں —— اس زندگی میں اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ہمیں کیا ملتا ہے —— اس دُنیا میں اُس کے ساتھ تعلق جوڑنے میں کیا منفعت ہے؟ اور اس کے ساتھ تعلق توڑنے میں کیا گھاٹا ہے؟ منبر و محراب سے یہ آواز تو بہت اُٹھتی ہے۔ نیک عمل کرو، اس سے آخرت میں یہ ثواب ہوگا اور بداعمالیوں سے اجتناب کرو، وگرنہ آخرت میں یہ عذاب ہوگا۔ آخرت کا عذاب و ثواب برحق ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس دُنیا میں اپنے دوستوں کو وہ بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے؟ کیا اس دُنیا میں اُن کے لیے ذلّت و رسوائی ہے؟ اسی طرح وہ لوگ جو اس سے سرکش ہو گئے، وہ جو رسیاں تڑا بیٹھے ہیں، اُن کے بارے میں یہ گمان کہ انہیں آخرت میں ہی سرزنش ہوگی، اب وہ کھل کھیلیں اور من مانی کریں —— اس خیال میں صداقت کہاں تک ہے؟

بات یہ ہے کہ خود قرآن میں لکھا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ؕ

کہ انسان کو بڑا جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ جلد بازی تو انسان کے خمیر میں گندھی ہوئی ہے۔ وہ تو کہتا ہے اِس وقت جن اذیتوں اور کلفتوں میں مَیں مبتلا ہوں اُن سے نجات پانے کی کوئی راہ بتاؤ۔ اِس وقت میری راحت کا کوئی سامان کرو۔ اُس سے یہ کہنا کہ یہاں ساٹھ برس تک تم بے سہارا جیو، تم اذیتیں جھیلو، تم ذلت و رسوائی گوارا کرو، مرنے کے بعد تمہیں بہشت ملے گی، بڑی غیر حکیمانہ بات ہے۔ وہ رب العالمین ہو کر، وہ رحمٰن و رحیم ہو کر ساٹھ برس تک ہماری دوستی کا جواب نہ دے اور ہم اُس کی عاجز مخلوق ہوتے ہوئے زندگی بھر یک طرفہ دوستی نبھاتے رہیں اور جب ہم مر جائیں اور قبروں میں چلے جائیں تو وہاں وہ ہمیں سُرخ رو کرے اور عزت عطا کرے، بزرگوں سے معذرت چاہتے ہوئے کہتا ہوں۔ ؏

یہ کیا دل دہی ہے یہ کیا دلبری ہے ؟

اللہ کے ساتھ تعلّق رکھنے والوں کے لیے اِس دُنیا میں کیا ہے ؟

یہ ہے وہ سوال جو ذہن میں اُبھرتا ہے مَیں عربی زبان کا ایک معمولی طالب علم ہوں۔ جب عربی زبان میں اتنی شُدبُد مجھے ہوئی کہ کتاب اللہ کا براہِ راست مطالعہ کر سکوں تو اس سوال کا بہت صاف اور واضح جواب مَیں نے کتاب اللہ میں پالیا۔ قرآن مجید کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ دوستی کا صلہ ..... بھرپور صلہ دوستی کے عہد و پیمان کے ساتھ ہی وہ دینے لگتا ہے۔ وہ تو واضح طور پر کہتا ہے : " نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓـؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ " (حٰمٓ السجدۃ : ۳۱)

اس دُنیا کی زندگی میں ہم تمہارے دوست ہیں، تمہارے حامی و ناصر ہیں، تمہارے پُشت پناہ ہیں۔ یہ نہیں کہ اِس دُنیا میں تمہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔ وہ تو واضح طور پر کہتا ہے :

" لَہُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ " (یونس : ۶۴)

وہ جو میرے ساتھ دوستی کرتے ہیں، اِس دُنیا کی زندگی میں انہیں بشارت دُوں اس دُنیا کی زندگی میں اُن کو سُرخرو کروں گا۔ وہ اپنے دوستوں کا جہاں کہیں ذکر کرتا ہے کہ فلاں دوست نے

میرے ساتھ دوستی نباہی، وہ یوں کہتا ہے: "وَجِیۡهًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ" ۔
میں نے اس دُنیا میں اُس کو معزز کیا اور آخرت میں تو اسے باعزت ہونا ہی ہے۔
انبیاء جب اس سے تعلق استوار کرتے رہے تو دُعا یوں مانگتے رہے:
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ (یوسف:
اے زمین اور آسمانوں کو پیدا کرنے والے! اے میرے اللہ! میں تیرے ساتھ دوستی کر رہا ہوں اور تو اس دُنیا میں میرا دوست ہے، دُنیا کے معاملات سنوارنے اور سُلجھانے کے لیے میں کس سے مدد چاہوں۔

دین کا غلط تصور پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام دین سے بھاگتے ہیں اور بدکتے ہیں۔ یہ بہت ضروری ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ اس دُنیا میں اس کا قانونِ جزا و سزا کیا ہے؟ یاد رکھیے کہ یہ سوال جو ذہنوں میں اُبھرتے ہیں ان کو SUPRESS کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ان کو باہر لانا چاہیے۔ خود میرے ذہن میں بھی یہ سب سوال اُبھرتے تھے اور قرآن مجید کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں اُن کا جواب کتاب اللہ میں ڈھونڈتا رہا اور اب بھی ڈھونڈتا ہوں۔ قرآن مجید پڑھنے سے میرا ذہن صاف ہُوا۔ قرآن نے بہت صاف اور واضح طور پر افراد کی ترقی اور انحطاط اور اقوام کے عروج و زوال کے تمام قاعدے اور ضابطے کھول کھول کر بیان کیے۔ قرآن نے بہت صاف طور پر بتایا کہ جُونہی ایک فرد میرے ساتھ دوستی کرتا ہے میں اُسے کیا عطا کرتا ہوں ــــــــ رسماً اور رواجاً مُسلمان ہونے کی بات میں نہیں کر رہا اور نہ جغرافیائی اور نسلی اعتبار سے مُسلمان ہونے کا ذکر کر رہا ہُوں۔ اسی لیے میں بار بار دوستی کا لفظ بول رہا ہوں تاکہ کوئی غلط فہمی نہ ہو۔

قرآن نے واضح طور پر کہا: - اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِیۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُكُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَةِ (حٰمٓ السجدہ: ۳۰-۳۱)

فرمایا کہ دیکھو میرے ساتھ دوستی کرنے کے بعد اگر تم میری دوستی پر جمے رہے تو میں تم پر فرشتے نازل کروں گا ۔۔۔۔۔ اور قرآن میں اپنے دوستوں پر فرشتوں کے نزول کا ذکر متعدد بار کیا ہے۔

"فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا" (الاحزاب: ۹)

اور ہم نے اُن پر زناٹے کی آندھی بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور دُوسری جگہ کہا: "وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا"

خوف اور غم سے نجات

قرآن نے یہ کہا کہ ہم خوف اور غم کو اپنے دوستوں کے دِلوں سے اُچک لیتے ہیں ۔۔۔۔۔

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ" (یونس: ۶۲)

اللہ کے ذکر سے اور اُس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے پہلی بات یہ حاصل ہوتی ہے کہ یہ مال و دولت کا غم جس میں دُنیا گھلتی جارہی ہے، یہ جھوٹے خداوندوں کا خوف انسان کے دل سے اُچک لیا جاتا ہے اور یاد رکھیے کہ اس دُنیا میں جتنی ذہنی کوفت اور رُوحانی اذیت ہے، وہ یا خوف سے پیدا ہوتی ہے یا غم سے پیدا ہوتی ہے۔ بس وہ اپنے دوستوں کے دِلوں سے خوف اور غم دونوں کو نکال دیتا ہے۔ انہیں ایک رُوحانی آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ لوگ جن کا اللہ سے تعلق تھا وہ کس طرح رقص کرتے ہُوئے پھانسیوں کی طرف لپکتے رہے اور پھانسی کے پھندوں کو چومتے رہے۔

خبیبؓ بن عدی کا واقعہ

حضرت خبیبؓ بن عدی کا واقعہ مجھے یاد آنے لگا۔ صحیح بخاری میں ہے اور حافظ ابن اثیر الجزری نے بھی اُسدالغابہ میں لکھا کہ حضرت خبیبؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ بھیجا اور فرمایا دیکھو کہ دُشمن کی تیاری کا کیا حال ہے۔ وہاں حضرت خبیبؓ گرفتار کر لیے گئے۔ مقامِ تنعیم پر پھانسی کا پھندا لٹکایا گیا اور یہ اعلان کیا گیا کہ آج خبیبؓ کو پھانسی دی جائے گی۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے ایک خلقت تماشائی تھی کہ اللہ کے ایک عاشق کو آج پھانسی دی جائے گی۔ جب حضرت خبیبؓ لائے گئے، تو وہ وجد کی حالت میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

ے

؎ وَلَسْتُ بِمُبْدٍ لِلْعَدُوِّ تَخَشُّعًا
وَلَا جَزَعًا اِنِّیْ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعِیْ

یعنی میں دشمن کے سامنے گھٹنے ٹیکنے والا نہیں ہوں۔ میرے دشمنو! تم میرے چہرے پر آج گھبراہٹ کے آثار نہ دیکھ سکو گے۔ تمہیں تمنا تو ہوگی کہ تم خبیبؓ کے چہرے پر، جب وہ پھانسی کی طرف جا رہا ہو گھبراہٹ دیکھ سکو، تمہاری یہ تمنا غلط ہے — اِنِّیْ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعِیْ — میں تو اپنے محبوب کی طرف لوٹ رہا ہوں، میرے چہرے پر گھبراہٹ تم کہاں دیکھ سکو گے اور کہا:

؎ وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ

(مجھے اس جرم کی پاداش میں تم قتل کر رہے ہو کہ میں اللہ سے تعلق رکھتا ہوں اور وہ میرا محبوب ہے اگر میرا جرم یہی ہے تو مجھے کچھ پروا نہیں۔ جس پہلو تم چاہو، مجھے مارو — جس پہلو تم چاہو مجھے پچھاڑو —)

لَسْتُ اُبَالِیْ۔ I CARE TWO HOOTS FOR IT ذہن اور روح کی یہ کیفیت اسی دنیا میں انسان کو حاصل ہو جاتی ہے۔

سب سے بڑا ڈر جو وقت کے فرعونوں اور نمرودوں کو بھی ہوتا ہے، وہ موت کا ڈر ہے۔ یہ موت کا ڈر بھی اللہ کے دوستوں کی روحوں سے اچک لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کے ایک دوست نے کہا:

؎ خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

(وہ دن بھی کیا غضب کا دن ہوگا جب اس دنیا سے میں اپنے محبوب کی طرف جاؤں گا، میری روح کو قرار آ جائے گا۔)

یہ پہلا انعام ہے جو فرد کو اس دنیا میں اللہ کے ساتھ تعلق سے حاصل ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْہُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَغَشِیَتْہُمُ الرَّحْمَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْہِمُ السَّکِیْنَۃُ (مسلم)

(جو لوگ بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، رحمت کے فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں۔ رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور سکینت اُن پر نازل ہوتی ہے۔)

آپ یہ مت خیال کیجیے کہ یہ جو اللہ والے رات بھر اُس کے حضور میں بیٹھے رہتے ہیں، یونہی خشک اور بے لذت بیٹھتے ہیں۔ ان پر اللہ کی رحمتیں برستی ہیں اور انوارِ الٰہی کا رزق کھاتے ہیں ــــ وہ رُوحانی رزق جس کی لذت کے سامنے کائنات کی تمام لذتیں ہیچ ہیں۔ اگر فیضانِ الٰہی نہ ہو رہا ہو تو پانچ منٹ بھی مصلے پر نہیں بیٹھا جاتا، تسبیح ہاتھ سے چھوٹنے لگتی ہے، پھر ٹیک لگاتے ہیں اور لیٹ جاتے ہیں۔ سُلطان باہُوؒ نے ذکر کی لذّت کو یُوں بیان کیا:

الف اللہ چنبے دی بُوٹی مرشد من میرے وِچ لائی ہُو
نفی اثبات دا پانی ملیوس ہر رگے ھر جائی ہُو
اندر بُوٹی مشک مچایا جاں پُھلّن پر آئی ہُو
جیوے مُرشد کامل باہُوؒ جیں اے بُوٹی لائی ہُو

فرماتے ہیں: کہ میرے شیخ نے میرے مَن کی زمین میں لفظ "اللہ" جو چنبیلی کا پودا تھا لگایا اور "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے پانی سے میری رگ رگ اور نَس نَس کو سینچا، فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذکر سے میرا سینہ مہک اُٹھا ہے اور اُس کی لذّت سے یُوں سرشار ہوا ہوں کہ آپے سے باہر ہوا جاتا ہُوں۔

دوستو! یہ محض کہاوتیں اور بُجھارتیں نہیں ہیں۔ مَیں بھی اِنہیں بجھارتیں سمجھتا تھا۔ میں فلسفے کا طالب علم تھا۔ جب تک یہ سب کچھ مجھ پر وارد نہیں ہو گیا خُدا کی قسم جھٹلاتا رہا اِن سب باتوں کو۔ تو اسی دُنیا میں اللہ کی رحمتوں کا ورود ہوتا ہے۔

خاقانی نے بجا کہا تھا: ؎

پس از سی سال ایں نکتہ محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملکِ سلیمانی

(خاقانی کہتا ہے کہ تیس برس تک مَیں مارا مارا پھرتا رہا سکُون کی تلاش میں تیس

برسوں کے بعد یہ بات مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوئی کہ ایک پل بھی اگر خدا کی معیت حاصل ہو جائے تو یہ تختِ سلیمانی کے ملنے سے بہتر ہے۔)

سچّی اور دائمی عزّت کسے حاصل ہے؟

ذرا دیکھیے کہ قرآن مجید کہتا ہے:

"مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا" (فاطر: ۱۰)

یہ رحمتوں اور سکینتوں کا ورود تو بجا ہے۔ یہ غم و اندوہ سے چھٹکارا بھی درست مگر یہ مت خیال کیجیے کہ عزت کی تلاش میں کسی غیر کے دروازے پر جانا ہے۔ قرآن مجید نے HONOUR کا ایک واضح CONCEPTION دیا ہے۔ خدا کہتا ہے کہ عزت کا سرچشمہ اور منبع میں ہوں اور ایک دوسری جگہ کہا:

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ" (المنافقون: ۸)

دیکھو سچی عزت اللہ کو حاصل ہے اور اُس کے پیغمبروں کو حاصل ہے اور مومنوں کو حاصل ہے۔"

سچی عزت سے میری مراد وہ عزت ہے جو رُوح کی گہرائیوں سے کی جائے، دل اور دماغ کی ہم آہنگی سے کی جائے، سچی عزت وہ ہے جو موجودگی اور عدم موجودگی میں یکساں کی جائے سچی عزت وہ ہے کہ زمانے کی لنبان گو کتنی آگے کو بڑھ جائے، وہ چمکتی رہے، وہ نکھرتی رہے اور صاحبِ عزت کا نام مہکتا رہے۔

خدا کہتا ہے کہ میں حقیقی اور سچی عزت اس دُنیا میں اپنے پیغمبروں کو عطا کرتا ہوں۔ اس مادّیت کے دَور میں، اس الحاد و زندقت کے دَور میں، اِس فسق و فجور اور کفران و معصیت کے دَور میں بھی جو عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، جو عزت حضرت عیسیٰؑ کو حاصل ہے، جو عزت حضرت موسیٰؑ کو حاصل ہے، اُس کا لاکھواں حصّہ بھی برٹرنڈرسل اور آئن سٹائن کو حاصل نہیں۔ تمام بنی نوعِ انسان کے دل آج بھی چند نبیوں کی محبّت اور عقیدت سے آباد ہیں۔

پھر جو اُن کے دامن سے وابستہ ہوئے اور جنہوں نے اُن سے وفا کی، وہ سب معزز ٹھہرا دیے

گئے۔ سچی عزت حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کو حاصل ہوئی، سچی عزت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو حاصل ہوئی، سچی عزت حضرت مجدد الف ثانیؒ کو حاصل ہوئی، سچی عزت حضرت علی ہجویریؒ کو حاصل ہوئی۔ یہ کیا بات ہوئی کہ شافعی، مالکی، حنبلی، حنفی، اہلحدیث آپس میں ہر بات پہ جھگڑا کریں، مگر حضرت علی ہجویریؒ کا نام آئے تو سب تعظیم بجا لائیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نام آئے تو سب کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں۔ پس اللہ سے تعلق رکھنے والوں کو عزت اسی دنیا میں بخشی جاتی ہے۔

بڑے بڑے دانشور اور سیاست دان حصولِ عزت کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں۔ کیا کیا جتن کرتے ہیں۔ دن رات اندھا دھند ایک ہی دھن میں لگے ہیں کہ عزت حاصل ہو جائے، شہرت اور وقار حاصل ہو جائے، بس ہمارا ہی ڈنکا بجے۔ الیکشن لڑے جاتے ہیں اور الیکشن میں بھی تفنن برطرف پہلے تو سات پشتوں کو گالیاں دی جاتی ہیں، الیکشن لڑتے تو اس لیے ہیں کہ عزت حاصل ہو مگر اس عزت کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ تمام آباؤ اجداد کے شجرہ ہائے نسب پر حزبِ مخالف لعنتیں بھیجتا ہے۔ اسمبلیوں کی رکنیت حاصل کی جاتی ہے، پھر وزارتوں کا چکر۔ غور کیجیے کہ پچھلے پچیس برسوں میں کتنی کابینائیں بنیں اور ٹوٹ گئیں، کتنے وزیر اور مشیر بنے۔ پھر اُن میں سے کتنے ہیں جن کے نام بھی ہمارے حافظوں میں باقی رہ گئے۔ عجب مشیّتِ الٰہی ہے کہ جو لوگ حصولِ عزت کے لیے دن رات ہلکان ہوتے ہیں اُن کے نام بھی ذہنوں سے محو کر دیے جاتے ہیں اور ان کے اقتدار کے زمانے میں بھی اُن کی عزت محض حلق سے ہوتی ہے۔ عین اُس وقت جب لوگ اُن کے لیے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں اُن کے دل انہیں گالیاں دے رہے ہوتے ہیں اور دماغ لعنتیں بھیج رہے ہوتے ہیں، یہ کیا عزت ہوئی.....؟ یہ کیسی توقیر ہے.....؟

آپ کہیں گے کہ اللہ کے دوست قتل بھی ہوتے ہیں۔ اس کے دوست سولیوں پر بھی لٹکتے ہیں۔ آپ کہیں گے یہ کیسی دوستی ہوئی کہ اس کے دوست ہوتے ہوئے اُن کے لاشے خاک و خون میں تڑپتے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے سب دوست قاتل ہوتے تو اُس کے دوستوں کے اخلاص اور وفاداری کا ثبوت کیا ہوتا۔ ہر ایرا غیرا اُس کی دوستی کا دم بھرتا۔ مرنا تو سبھی کو ہے، موت

کا ایک دن معین ہے۔ یہ اُس کا کرم ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی عزت کو دوام بخشنے کے لیے شہادت کی مہر اُن کے وجود پر ثبت کرتا ہے۔ وہ اگر اس کی راہ میں قتل نہ ہوتے تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے۔ یہ اُس کی نوازش ہے کہ وہ انہیں دوستی کا حق ادا کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ مقتول ہو کر ان کی عزت اور چمکتی ہے۔ ؎

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اِس جاں کی تو کوئی بات نہیں

اس کے حبیبؐ کے گھرانے کے لیے یہ مقدر ہُوا کہ حق کی حمایت میں اُن کے لاشے خاک و خوں میں تڑپیں، حسینؓ ابن فاطمہؓ بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ کی مشیت ہُوئی کہ اس کی خاطر اپنی جان نچھاور کرے۔ حسینؓ کی شان دائمی اور سرمدی طور پر سلامت رہ گئی۔ وہ مقتول ہو کر بھی معزز ہُوا اور اس کے دُشمن قاتل ہو کر بھی ذلیل ہُوئے۔

اِسی طرح اگر اُس کے دوست ہر حالت میں دُنیوی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتے تو ہر خود غرض اور نفس پرست بھی اس کی دوستی کا مدعی ہوتا۔ اگر اس کے سب دوست دنیوی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتے تو دُنیا والوں کے لیے اس کا ثبوت کیا ہوتا کہ اس کے دوست محض اس کی رضا کے طالب ہیں۔ وہ دُنیا والوں کو یہ منظر دکھاتا ہے کہ اُس کے دوست گھاس پھُونس کی جھونپڑیوں میں بستے ہوئے موٹا جھوٹا لباس پہن کر، فقر و فاقہ کی سختیاں جھیل کر بھی دوستی کی لاج رکھتے ہیں اور اس بے سروسامانی کی حالت میں بھی انہیں ایسا ذہنی سکون نصیب ہوتا ہے اور وہ اس قدر رُوحانی لذت سے سرشار ہوتے ہیں کہ اُمراء و رؤسا اس لذت کے تصور سے بھی عاجز ہیں۔

وہ جو اس کی راہ میں فنا ہُوئے، دیکھنے والوں کو یُوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ سخت تکلیف اُٹھا رہے ہیں، حالانکہ عین اُس وقت جب اُن کے حلقِ بریدہ سے خُون بہہ رہا ہوتا ہے اور اُن کے لاشے خاک و خون میں تڑپ رہے ہوتے ہیں، اُن کی رُوحیں اُس وقت بھی کلفت و اذیت سے محفوظ ہوتی ہیں اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، حدیثِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔

"مَا یَجِدُ الشَّھِیْدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ اِلَّا کَمَا یَجِدُ اَحَدُکُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ" (ترمذی)
(شہید کو قتل ہوتے وقت ویسا ہی احساس ہوتا ہے جیسے تم میں سے کسی کو چیونٹی چھُو جائے
تو وہ محسوس کرتا ہے۔)
بلکہ شہید کو ایسی لذت آتی ہے کہ دُنیا و آخرت کی سب لذتیں شہادت کی لذت کے سامنے
اُسے ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔
یہ دوست کی خاطر کٹ مرنے کی سعادت، یہ اُس کی خاطر مر مٹنے کا شرف، یہ اُس کی راہ میں
خوں بہانے کی لذت، یہ جاں سپاری و جانفروشی کی سعادت ...... یہ وہ سعادتِ عظمیٰ انسان کے
حصے میں آئی ہے کہ اس میں فرشتے بھی اس کے سہیم و شریک نہیں۔ یہ وہ سعادت ہے جس سے جبرائیل
امیں بھی محروم ہے۔ یہ وہ شرف ہے کہ اسرافیل و میکائیل بھی اس کے لذت شناس نہیں۔ وہ بھی تخلیق
آدمؑ کے وقت کہتے تھے:

"اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ" (البقرہ: ۳۰)

یعنی آدم کو کیوں پیدا کرتے ہو، وہ رُوئے زمین پر فساد پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا۔ ہم جو تیری
تسبیح و تقدیس میں لگے ہیں۔ اب خدا اُنہیں یہ منظر بار بار دکھاتا ہے کہ دیکھو یہ وہی آدم ہے جس کی
تخلیق پر تم معترض تھے۔ وہ میری دوستی کا حق اپنا لہو بہا کر ادا کر رہا ہے۔

اقوام کے عروج وزوال کے بارے میں ضابطۂ الٰہی

جس طرح فرد کے لیے اِس دُنیا میں جزا و سزا کا ایک قانون جاری ہے، بالکل اسی طرح اقوام کے عروج و زوال کے بارے میں بھی کچھ قاعدے اور ضابطے ہیں جو قرآن نے بیان کیے۔ وہ قوم یقیناً خود فریبی میں مبتلا ہے جس کے افراد محض کسی قوم کے فرد ہونے کی بنا پر یہ چاہیں کہ خدا اُن کے ساتھ امتیازی سلوک کرے۔ مخلوق ہونے کی حیثیت سے اللہ کی نظر میں تمام مخلوق یکساں ہے۔ اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ۔ تمام مخلوق اللہ کا گھرانا ہے۔ زہر کا یہ خاصا ہے کہ ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، مسلمان جو بھی اُسے کھائے، اس پر موت طاری ہوتی ہے۔ زہر ہلاکت آفریں ہے اور آگ سے جسم جلتا ہے۔ بالکل اسی طرح کچھ باتیں ہیں جو قوموں کے لیے سم قاتل ہوتی ہیں اور ہر وہ قوم جس سے وہ باتیں سرزد ہوں، زوال اور انحطاط کے گڑھے میں دھکیل دی جاتی ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (فاطر: ۴۳)

اللہ کا قانون انسانوں کے کسی گروہ کے لیے بدل نہیں جا سکتا۔ اِقبال علیہ الرحمہ نے بجا کہا تھا:

حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
نگاہِ پیرِ فلک میں نہ میں عزیز نہ تُو

قوموں کی مادّی ترقی کے بھی کچھ قاعدے اور ضابطے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"يَرْفَعُ بِهِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ" (رواہ مسلم)

(اس کتاب کے ضابطوں پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے خدا بعض قوموں کو بلند کرتا ہے اور اُن ضابطوں کو پسِ پشت پھینکنے کی وجہ سے بعض قوموں کو ذلیل کر دیتا ہے۔)

قرآن مجید نے دفاع کے بارے میں یہ تلقین کی کہ اَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ جہاں تک تمہارا بس چلے دُشمن کے خلاف تیاری کرو یعنی جہاں تک ممکن ہو بجٹ کا حصہ دفاع پر صرف کرو۔ اور قرآن نے یہ بھی کہا۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ (الحدید: ۲۵) — اور ہم نے لوہا پیدا کیا جو جنگ میں بہت کام آتا ہے اور انسانوں کے لیے اس میں اور بھی کئی فائدے ہیں۔

میرا یہ ایمان ہے کہ اگر آج امریکہ، روس اور چین معزز ہیں تو وہ قرآن مجید کے ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے معزز ہیں اور اگر ہم آج ذلیل ہیں تو ان اصولوں کو پسِ پُشت پھینکنے کی وجہ سے ذلیل ہیں۔ ہماری عقلوں پر ایسی طاعون چھا گئی ہے کہ عین اس وقت جب ہم موت وحیات کی کشمکش میں مُبتلا ہوتے ہیں، ہم اپنا زرِ مُبادلہ اسبابِ راحت اور اسبابِ تعیش کی درآمد پر برباد کرتے ہیں۔

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ پچیس برس سے ہم پاکستان میں مُنافقت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کا جھگڑا گاندھی سے کیا تھا؟ گاندھی یہ کہتا تھا کہ قومیت کی بُنیاد خطۂ زمین ہے جو ہندوستان کا باشندہ ہے، وہ ہندوستانی ہے۔ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کہتے تھے کہ ہم خاک اور نسل کی بُنیادوں پر قومیت کے قائل نہیں ہیں۔ ہم تو اپنا ایک نظریۂ حیات رکھتے ہیں اور اسی کی بنیادوں پر قومیت کا ڈھانچہ استوار کرتے ہیں۔ جھگڑا ہُوا، قائداعظمؒ جیت گئے، پاکستان معرضِ وجود میں آگیا اور اس کا نام ISLAMIC REPUBLIC رکھا گیا۔

ہم نے دُنیا جہاں کی ناپاکیاں ——— ارتکازِ دولت، علاقائیت پرستی، رشوت ستانی، ذخیرہ اندوزی، اقربا نوازی، کُنبہ پروری، جُوا، شراب، سُود ——— اس خطۂ زمین پر اکٹھی کیں اور اُس کا نام پاکستان رکھ دیا۔ کسی بتکدے کی دیواروں پر حرم کا لفظ کندہ کر دینے سے کوئی بتکدہ

بیتُ اللہ تو نہیں بن جا سکتا ہے۔ ہم نے جس نظریۂ حیات کو اپنانے کی خاطر اور جن قدروں کو پروان چڑھانے کی خاطر عظیم قُربانیاں دے کر یہ مُلک حاصل کیا تھا، ہم نے اس مُلک میں اُن قدروں کو نہایت بے دردی سے پامال کیا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی غرض سے ہر حکومت یہ اعلان کرتی رہی کہ ہمارا آئین قرآن وسُنّت کے منافی نہیں ہو گا۔ فقرے کے تیور دیکھیے کس قدر منافقانہ ہیں؛ اگر جی میں کھوٹ نہ ہوتا تو اعلان کے الفاظ یُوں ہوتے کہ:

"ہمارا آئین کتاب وسُنّت کے عین مطابق ہو گا۔"

مشرقی پاکستان کا سقوط آزمائش نہیں، عذاب ہے

پچیس سال کی مسلسل اور پیہم بداعمالیوں کی پاداش میں آدھا ملک ہم سے چھن گیا۔ جب مشرقی پاکستان کا سقوط ہوا تو اُس وقت بھی ہم نے اپنے آپ کو اور عوام کو دھوکا دیا۔ ہمارے ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹیلی ویژن نے کہا کہ یہ غزوۂ احد ہُوا ہے۔ یہ غزوۂ حنین ہُوا ہے۔

یاد رکھیے کہ آزمائش کا تعلق مومنین قانتین سے ہے جنہیں عارضی طور پر بھٹی میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ وہ کُندن ہو کر نکلیں۔ قرآن مجید ابتلا کا لفظ اُن نفوسِ قدسیہ کے لیے بولتا ہے جنھوں نے معاشرے کی تطہیر کی تھی۔ ابتلا کا تعلق قرآنی نقطۂ نظر سے اُن لوگوں سے ہے جو نماز قائم کرتے ہیں، جو زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کرتے ہیں جو شراب خواری، زنا کاری، سُود خواری، رشوت ستانی، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ اور تمام اجتماعی بُرائیوں کا استیصال کرتے ہیں۔ چوری، زنا اور دُوسری بداعمالیوں کی سزا احکام قرآنی کے مطابق دیتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ انبیاء اور اُن کے پیروؤں کی ہزاروں برس کی تاریخ اس بات کو جھٹلاتی ہے کہ اللہ نے اپنے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو کبھی یُوں بین الاقوامی طور پر ذلیل کیا ہو کہ بیک وقت پُوری کائنات کے ذرائع ابلاغ سے اُس قوم کی ذلت ورسوائی کا اعلان کیا گیا ہو۔ آدھا ملک چھن جائے اور ۹۰ ہزار افراد کافروں اور بُت پرستوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور ہم کہیں، یہ غزوۂ اُحد ہُوا ہے۔

یہ نئی پود، یہ نوجوان نسل، یہ غریب طالب علم۔ اُنھوں نے اپنے حکمرانوں کی زبان سے اسلام کا نام

سُنا ہے، اُنہوں نے اسلام کا نام یحییٰ خان کی زبان سے سُنا، جو ملک و ملّت کو ذلّت اور ہلاکت کے غار میں دھکیلنے کے بعد بھی اپنی آخری تقریر میں اللہ اکبر اور لا اِلٰہ اِلا اللہ کہہ رہا تھا —— وہ جو اس وقت بھی نشے میں دُھت تھا اور اس کی زبان ہکلا رہی تھی۔

آہ یہ مُلک! اس میں پچیس برس سے اسلام، خدا، رسول، جہاد ان سب لفظوں کو EXPLOIT کیا جا رہا ہے۔ ہماری نئی پود نے اسلام کی بات یا تو حکمرانوں کی زبان سے سُنی ہے یا اپنے محلّے کے نیم خواندہ مولوی سے سُنی ہے۔ اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہُوا کہ ہمارے نوجوانوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اسلام یا تو HALF EDUCATED ہونے کا نام ہے یا EXPLOITATION کا نام ہے۔ میں اس بارے میں نئی پود کو معذور سمجھتا ہُوں۔ مُجرم ہم ہیں کہ اسلامی نظریۂ حیات کے صحیح خط و خال اُن کے سامنے اُجاگر نہ کر سکے۔ ہر حادثہ جو اس کائنات میں رُونما ہوتا ہے، ایک طالب علم کی حیثیت سے ہم قرآن مجید لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور آیات الٰہی کی روشنی میں اُس کی تعبیر ڈھونڈتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے سقوط پر جو آیتیں منطبق ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں۔ ہم یہ آیت کیوں نہیں پڑھتے:

"فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً" (المائدہ: ۱۳)

قرآن کہتا ہے کہ بعض قومیں ایسی ہیں جو کہتی ہیں اے اللہ! تو ہمیں ایک خطۂ زمین عطا کر۔ ہم اُس میں تیرے نظریۂ حیات کو نافذ کریں گے اور جب ہم انہیں خطۂ زمین عطا کر دیتے ہیں، تو وہ ہم سے عہد شکنی کرتے ہیں اور آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ خُدا کہتا ہے —— فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ اُن کی وعدہ شکنی کی پاداش میں ہم نے اسی دُنیا میں اُن پر لعنتیں بھیجیں —— وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً —— اور ہم نے اُن کے دِلوں کو کٹھور بنا دیا کہ خیر اور شر میں تمیز کی صلاحیت ہی اُن سے اُچک لی گئی۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ سقوطِ مشرقی پاکستان ایک عظیم المیہ ہے، لیکن اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ اس دھچکے کے بعد بھی ہم منافقت کے روگ سے شفایاب نہ ہو سکے۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ روگ ہماری ہڈیوں میں سما گیا ہے۔ سقوطِ مشرقی پاکستان پر ہمارے صحافیوں نے لکھا کہ:

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ملک کا نام اسلامک ری پبلک (ISLAMIC REPUBLIC) رکھنا آسان کام تھا اس لیے اس کے کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہ ہوا لیکن جب یہ کہا جاتا ہے کہ شراب کی کشید اور درآمد پر پابندی لگا دیجئے تو ارباب حل و عقد کی پیشانیوں پر شکن پڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو تنگ نظری کی بات ہے۔

قرآن نے اس بارے میں واشگاف لفظوں میں دو ٹوک بات کہی:

مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (المائدہ: ٤٧)

مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدہ: ٤٥)

مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ: ٤٤)

جو وحی الٰہی کے مطابق آئین نہیں بناتے یہی لوگ فاسق ہیں۔

جو وحی الٰہی کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، یہی لوگ ظالم ہیں۔

جو وحی الٰہی کے مطابق حکومت نہیں چلاتے یہی لوگ کافر ہیں۔ اگرچہ زبانی دعوے بھی کریں۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ مختلف قوموں کو جب ان کی بداعمالیوں پر ہم جھنجھوڑتے ہیں تو بعض قومیں چونک اٹھتی ہیں اور وہ اپنی تمام توانائی کو خیر اور بھلائی کی راہ میں کھپا دیتی ہیں اور بعض قومیں ایسی ہیں کہ جب ہم نے انہیں جھنجھوڑا:

فَقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (الاعراف: ٩٥)

تو انہوں نے کہا قوموں کو کبھی VICTORY ہو جاتی ہے کبھی DEFEAT ہو جاتی ہے اس میں عذاب کی کیا بات ہوئی؟ یہ تو SUPERSTITIONS (توہمات) کی باتیں ہیں۔ آج بھی جب ہم اس ملک کے دانشوروں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ عذاب الٰہی ہے۔ ہوش میں آؤ تو وہ زیرِ لب طنزاً مسکراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قوموں کو کبھی فتح ہوتی ہے کبھی شکست ہو جاتی ہے۔ اس کا عذاب سے کیا تعلق؟

خدا یہ کہتا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کسی قوم پر یہ حالت طاری ہوئی کہ وہ عذاب کو عذاب ماننے کے لیے تیار نہیں اور عذاب کو SUPERSTITION قرار دیتی ہے تو ہم ایسی قوم کو ایک دوسرا

تخریب رسید کرتے ہیں اور اُس کے قومی وجود کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ ہماری پکڑ یکایک ہوتی ہے ہم اُنہیں سوچنے کا بھی موقع نہیں دیتے کہ ان پر کیا بیت گئی ہے؟

سقوطِ مشرقی پاکستان کے ہولناک اور ذلت آمیز حادثے سے ہم نے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ ہمارے ذرائع ابلاغ جن کا مقصد قومی انا کو بیدار کرنا اور ملی کردار کی تعمیر کرنا تھا اکثر بیشتر لچر اور غلط پروگراموں پر وقت برباد کر رہے ہیں۔ وہ لامقصدیت جو ہماری نئی پود میں پیدا ہو گئی ہے ہمارے ذرائع ابلاغ [illegible] اُسے تیز تر کر رہے ہیں۔ یاد رکھیے کہ رقص و سرود اور طاؤس و رباب کے ساتھ ان زخموں کو مندمل نہیں کیا جا سکتا۔ آپ یقین کیجیے کہ ہمارے غریب عوام اپنی بھوک بھول گئے ہیں۔ انہیں اپنی عریانی بھول گئی ہے۔ یہ زخم اتنے شدید اور اتنے گہرے ہیں کہ کوئی پائل کی کھنک اور کوئی پازیب کی جھنکار اُن کا اندمال نہ کر سکے گی۔ ہمارے بعض دانشوروں اور سیاست دانوں نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ ہمارا آدھا ملک چھن گیا ہے اور ہماری افواج دشمن کی قید میں ہیں مگر ہم سے نوحہ گری نہیں ہوتی ہے۔ نوحہ گری کے تو ہم بھی قائل نہیں لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا نوحہ گری اور رقص و سرود کے درمیان متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ملک و ملت کی تعمیر میں اپنی تمام صلاحیتوں کو کھپا دینے کی کوئی راہ نہیں ہے؟

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا (النساء: ۷۸)

آہ! ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اتنی موٹی اور سیدھی بات بھی یہ نہیں سمجھتے۔ حکیم الامت نے بجا کہا تھا:

میں تم کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے

شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم پچیس برس مسلسل اور پیہم منافقت کی زندگی بسر کرتے رہے اور یہ ایک المیہ ہے کہ سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہماری منافقت کے لبادے پہلے سے بھی زیادہ دبیز ہو گئے ہیں:

رخ پر نقاب مصلحتوں کے پڑے ہوئے

لب پر زمانہ سازی کی [illegible]

جیسے زبان و دل میں کوئی رابطہ ہی نہیں

ہم اپنی ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ملک کا یہ بچا کھچا حصہ جو باقی رہ گیا ہے اللہ کا عذاب اس پر بھی منڈلا رہا ہے۔ وہ عذاب جو عوام اور خواص کو یکساں تہس نہس کرتا ہے ___ وہ عذاب جس کی زد میں بڑے بڑے ذاکر اور صوفی بھی آجاتے ہیں۔ خدا فرشتوں سے کہتا ہے کہ ان کو بھی پیٹو ان کے آس پاس ملک میں آگ لگی ہوئی تھی اور یہ مسجدوں اور گھروں میں آرام سے بیٹھے ذکر و فکر و تسبیح میں لگے رہتے تھے۔ قرآن نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ جب صورتِ حال ایسی ہو تو اس وقت عذاب سے بچنے کی یہ تدبیر ہے: اس ہمہ گیر عذاب سے وہی لوگ بچ سکیں گے جو خیر و بھلائی کے ساتھ ہیں اپنی زندگیاں قرآن کے مطابق گزارتے اور حکام کو امر بالمعروف کرتے ہیں ___ جو نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے:

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا (ھود ۵۸)

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ (ھود [illegible])

جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا اور یہ ہماری رحمت کا تقاضا تھا۔

جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے صالح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا۔

وقت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم سب فعال بن جائیں۔ ہم سب کو چاہیے کہ اپنا دامن کس لیں اور ہمت باندھیں اور اپنا وقت، اپنی توانائی، اپنا مال، اپنا جسم، اپنی جان سب کچھ اللہ کی راہ میں کھپا دیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اس دُنیا میں

عذابِ الٰہی کی صُورتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہماری روحوں پر ہمارے اعمال کے اثرات مُرتب ہوتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ سے رُوح کا تزکیہ ہوتا ہے اور ایک سکون، اطمینان اور راحت اسی دُنیا میں نصیب ہوتی ہے۔ بداعمالیوں کے اثرات بھی روح پر مرتب ہوتے ہیں۔ بداعمالیوں سے رُوح بیمار ہو جاتی ہے اور کراہنے لگتی ہے۔ اگر مرض حدود سے متجاوز نہ ہو گیا ہو اور روح پر موت نہ طاری ہو گئی ہو تو مریض رُوح کے درد و کرب کو محسوس کرتا ہے اور اس کی کراہ سنتا ہے۔ رُوح کا درد و کرب بھی عذاب کی ایک صُورت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ (الرحمٰن ...)

(اور جو اپنے رب کے مقام سے ڈرتا ہے اُس کے لیے دو جنتیں ہیں۔)

امام ابن تیمیہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ:

"اِنَّ فِی الدُّنْیَا جَنَّةً مَنْ لَمْ یَدْخُلْهَا لَمْ یَدْخُلْ جَنَّةَ الْآخِرَةِ"

(اس دُنیا میں بھی ایک جنت ہے جو اس میں داخل نہ ہوا وہ آخرت کی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا)

حضرت عبداللہ غزنویؒ فرماتے تھے:

"جنت و بستانِ من در سینۂ من است ہر جا کہ میروم بہار خویشتنم"

یعنی میری بہشت میرے سینے میں ہے جو درود، رحمت اور انوارِ الٰہی کے نزول سے پیدا ہوتی ہے۔
میں جہاں بیٹھ جاتا ہوں وہیں باغ و بہار ہو جاتی ہے۔

اگر رُوح کی یہاں تربیت نہ کی جائے اِس کا تزکیہ نہ ہو اور وہ بداعمالیوں میں مُبتلا ہو کر بیمار ہو جائے تو رُوح آخرت میں بھی بیمار رہے گی۔ قرآنِ مجید کی بہت سی آیتیں اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہیں۔

مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل ۷۲)

(جو اس دُنیا میں راہ نجات سے اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، بلکہ اور زیادہ گم کردہ راہ ہو جائے گا۔)

یعنی رُوح کے ہدایت پانے اور صحت مند ہونے کا تعلق اعمالِ صالحہ سے ہے اور اعمالِ صالحہ کا تعلق دارالعمل سے ہے۔ جب دارالعمل سے انسان دارالجزاء میں منتقل ہو گیا تو اعمال کا سلسلہ بھی منقطع ہوا۔ پھر روح کے لیے شفا یابی کیونکر ممکن رہا۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبِّيْ۔ پس بداعمالیوں سے جو عذاب رُوح پر طاری ہوتا ہے وہ عذاب اِس دُنیا میں، عالمِ برزخ میں اور آخرت میں مسلسل چلتا ہے۔ بداعمالیوں کی سزا اِس دُنیا میں بھی ہم کو بھگتنی پڑتی ہے اور آخرت کا عذاب تو دردناک ہے۔ قومِ عاد نے جب ہُود کی نافرمانی کی تو اسی دُنیا میں انہیں ملعون قرار دیا گیا:

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً (ہود ۶۰)

(اور اسی دُنیا میں ان پر لعنتیں بھیجی گئیں۔)

وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اسی دُنیا میں خدا ان پر لعنتیں بھیجتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا (الاحزاب ۵۷)

لعنت کی حقیقت

لعنت کی حقیقت کیا ہے؟ لَعَنَهُ اللّٰهُ کے معنی ہیں —— اَبْعَدَهٗ عَنِ الرَّحْمَةِ —— اللہ نے اس پر لعنت کی یعنی اُسے اپنی رحمت سے دُور کیا۔ جیسے مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح ہماری ارواح اللہ کی رحمت

کے بغیر صحت مند اور توانا نہیں رہ سکتیں جیسے مچھلی پانی سے باہر تڑپتی ہے اسی طرح انسان کی رُوح بھی اُس کی رحمت کے بغیر تڑپتی ہے۔ انسان کا ملعون ہونا یہی ہے کہ اُسے اللہ کی رحمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔اس کی رحمت سے سیراب نہ ہونے کی وجہ سے رُوح مُرجھا جاتی ہے۔اِس پر افسردگی اور پژمردگی طاری ہو جاتی ہے اور وہ ایک درد و کرب محسوس کرتی ہے۔ بداعمالیوں کی سب سے پہلی سزا جو اس دُنیا میں ملتی ہے، وہ ملعون ہونا ہے اور اس کی رحمت سے دُور ہونا ہے۔رُوحانی اذیت میں مُبتلا ہونا ہے۔ اندیشہ ہائے دُور دراز میں گرفتار ہونا ہے۔سر کا کھولنا، رُوح کا درد و کرب میں مُبتلا ہونا ہے۔

ذلّت و رسوائی

جب نافرمانی اور بڑھے تو اس کا عذاب ذلت و رسوائی کی صُورت میں ہوتا ہے۔لوگوں کے دلوں سے اس کی عزت اُچک لی جاتی ہے۔ مُعاشرے میں اُسے ذلیل و رُسوا کیا جاتا ہے۔اس کے گناہوں کی تشہیر کی جاتی ہے۔اُس کے عیوب کا پردہ چاک کیا جاتا ہے۔قرآن اس عذاب کو "خِزْیٌ" سے تعبیر کرتا ہے۔قرآن مجید نے کہا: تم قرآن کے بعض حصّوں کو مانتے ہو اور بعض حصّوں سے انکار کرتے ہو ـــــــ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (البقرہ: ۸۵)۔ اس کا صلہ تمہیں اس کے سوا کیا مل سکتا ہے کہ زندگی میں تمہیں ذلیل و رسوا کیا جائے۔

ایک دُوسری جگہ کہا:

جو مسجدوں میں ذکرِ الٰہی سے روکتا ہے اور اُنہیں ویران کرنے میں کوشاں ہے ـــــــ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ـ اسی دُنیا میں اُن کو ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کو ایذا دینے والوں کا حشر

قرآن وضاحت سے کہتا ہے کہ جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو ایذا دیتے ہیں، اللہ اسی دُنیا میں اُن پر لعنتیں بھیجتا ہے۔

ابو لہب جس کا نام عبدالعُزّیٰ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا حقیقی چچا تھا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے جب بعثت کے بعد قریش کو اکٹھا کیا اور اللہ کا پیغام سُنایا تو سب سے پہلے ابو لہب ہی نے تکذیب

کی اور کہا:

تَبًّا لَكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا

(تیرا ناس ہو کیا اس لیے تُو نے ہمیں اکٹھا کیا تھا۔)

اسی پر یہ صورت نازل ہوئی:

"تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ" (لہب: ۱)

(ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہوا۔)

واقعۂ بدر کے سات روز بعد ابولہب کو ایک زہریلا دانہ نکلا۔ بیماری متعدی تھی۔ کوئی قریب نہیں پھٹکتا تھا۔ سارے بدن میں زہر سرایت کر گیا۔ اسی حالت میں فوت ہوا۔ تین دن تک لاش پڑی رہی حتیٰ کہ متعفن ہو گئی۔ اُس کے گھر والے اس اندیشے سے کہ اس کی بیماری کہیں انہیں نہ لگ جائے اسے ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ چند حبشی مزدوروں کو بلا کر لاشے کو اٹھایا گیا۔ مزدوروں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے دھکیل کر اُس کے لاشے کو گڑھے میں ڈال دیا۔ یہ ہے "أُتْبِعُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً" اور یہ ہے ــــــ "خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا"

ابوجہل اس اُمّت کا فرعون تھا۔ اس کی اہانت کو اس طرح عذاب دیا گیا کہ دو بچوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ عاص بن وائل سہمی حضرت عمرو بن العاص کے والد تھے۔ آپؐ کا ٹھٹھا اڑاتے تھے۔ حضورؐ کے ہاں جتنے بیٹے ہوئے اُن کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ عاص نے کہا:

"إِنَّ مُحَمَّدًا أَبْتَرُ لَا يَعِيشُ لَهُ وَلَدٌ"

(محمدؐ مقطوع النسل ہیں ان کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا۔)

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

"إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ" (کوثر: ۳)

(آپ کا دشمن ہی مقطوع النسل ہے)

ہجرت کے ایک ماہ بعد کسی جانور نے پیر پر کاٹا۔ اس قدر پھیلا کہ اونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا۔

۱؎ روح المعانی صفحہ ۲۶۲ ج ۳۰   ۲؎ بخاری شریف۔ کتاب الجہاد صفحہ ۴۴۳ ج ۱

اسی میں خاص کا خاتمہ ہوا۔ (ابن الاثیر ج ۲)

اسود بن مطلب اور اُس کے ساتھی جب کبھی آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھتے آنکھیں مٹکاتے۔ آپ نے بد دُعا فرمائی کہ اے اللہ اسود کو اس قابل نہ چھوڑ کہ یہ آنکھیں مٹکا سکے۔ اسود ایک کیکر کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھا ہی تھا کہ اپنے لڑکوں کو آواز دی :

"مجھے بچاؤ! مجھے بچاؤ! میری آنکھوں میں کوئی کانٹے چبھو رہا ہے۔"

لڑکوں نے کہا ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا۔ اسود چلاتا رہا مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ، میری آنکھوں میں کوئی کانٹے چبھو رہا ہے۔ یہ کہتے کہتے وہ اندھا ہو گیا۔ (ابن الاثیر ج ۲ صـ ۲۰)

اسود بن عبد یغوث حضورؐ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اسے اپنی عقل پر بڑا ناز تھا۔ سر میں پھوڑے اور پھنسیاں نکلیں اور اسی تکلیف میں مرا۔ حارث بن قیس بھی سخت باوہ گو تھا۔ ایسی بیماری ہوئی کہ منہ سے پاخانہ آتا تھا۔ اسی بیماری میں فوت ہُوا۔ یہ ہے تفصیل اس آیت کی: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (الاحزاب ۵۷)

حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا دینے والوں کی ہلاکت اور تباہی کی تفصیلات حافظ ابن حجرؒ، جلال الدین سیوطیؒ، طبرانی اور بیہقی نے دی ہیں۔

عذاب کی انواع و اقسام

جیسے اس کی نوازشیں بے حد و حساب ہیں اس کے عذاب کی قسمیں بھی بے شمار ہیں۔

وہ بڑا لطیف اور حکیم ہے۔ وہ اس کائنات کی جس شئے کو چاہے عذاب میں بدل دے۔ یہ ہوا جس سے انسان کے سانس کی آمد و شد جاری ہے۔ وہ جب چاہتا ہے اس ہوا کو طوفان اور آندھی بنا دیتا ہے۔ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ (الحاقہ ۶) ___ قوم عاد کو زناٹے کی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ___ فَتَرَى الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ (الحاقہ ۷) (اس آندھی میں تم یوں انہیں پچھڑا ہوا دیکھو گے گویا وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں۔)

یہ پانی جو تقاضائے حیات کے لیے ناگزیر ہے، وہ جب چاہتے ہیں اسے طغیانی میں بدل دیتے

ابن الاثیر ج ۲ صـ ...
تاریخ ... ج ... صـ ...

ہیں ـــــ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (ھود: ۴۳) ـــــ نوح کی قوم سیلاب میں ڈوب گئی اور اُس کی زد سے کوئی نہ بچ سکا ان کے سوا جن پہ اللہ نے کرم کیا۔

یہ آواز جو مطالب کے اظہار کے لیے ازبس ضروری ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں اُس آواز کو عذاب میں بدل دیتے ہیں ـــــ "وَمِنْهُمْ مَنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ" ـــــ اُن میں سے کچھ ایسے تھے جو چنگھاڑ کی گرفت میں آگئے۔

یہ زمین جس پر ہم چلتے ہیں، جب ان کی مشیت ہوتی ہے، تو زمین انکار کر دیتی ہے کہ ہم اُس پہ چل سکیں

وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (عنکبوت ۴۰) یعنی اُن میں سے کچھ ایسے تھے جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا۔ خدا تو کسی پر زیادتی نہیں کرتا ہے۔ یہ انسان ہی ہیں جو اپنے آپ پر ظلم ڈھاتے ہیں۔

وہ خدائے لطیف و حکیم جب چاہتے ہیں نعمت کو عذاب میں بدل دیتے ہیں۔ مال اگر اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، تو اللہ کی نعمت ہے اور یہی مال اگر خدا سے عزیز تر ہو جائے، اندیشہ وغم کا باعث ہو اور بخل خسّت اور ذلّت پر آمادہ کرے تو وہ عذاب الٰہی بن جاتا ہے۔ اسی طرح اولاد اگر صالح ہو تو خدا کی دین ہے اور یہی اولاد اگر خدا سے دُور ہٹا دے اور حجاب بن جائے تو عذاب الٰہی ہے۔ ہاں اللہ کا عذاب کبھی مال اور اولاد کی صورت میں بھی ہوتا ہے:

"فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا"

(اُن کا مال و منال اور اُن کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالے۔ یہ تو محض اس لیے ہے کہ اللہ اس دُنیا کی زندگی میں اُنہیں عذاب میں مبتلا کرے۔)

آندھیاں اب بھی آتی ہیں، طوفان اب بھی اُٹھتے ہیں، زلزلوں سے بستیاں اب بھی ویران ہوتی ہیں زمین میں بستیوں کے دھنس جانے کی خبریں اب بھی اخباروں میں ہم پڑھتے ہیں مگر ایک ایسی غفلت ہم پہ

بھاگتی ہے ایک ایسی قساوت دلوں پر طاری ہے کہ ان تباہیوں اور بربادیوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ محض اتفاقات ہیں جو اس دنیا میں رونما ہوتے ہیں۔ خدا کہتا ہے یہ محض اتفاقات نہیں ہیں —— فَاَخَذْنٰاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ —— ہم نے ان کی بداعمالیوں کی پاداش میں انہیں پچھاڑا ۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ —— (خدا کی شان کے تو یہ شایاں نہ تھا کہ وہ بے سبب لوگوں پر ہلاکت اور تباہی لاتا، مگر وہ خود اپنی جانوں پر پیہم ظلم ڈھاتے رہے)

وہ لوگ جن کے مزاج پر بہیمیت کا غلبہ ہوتا ہے، ہمیشہ سے عذاب الٰہی کو اتفاق قرار دیتے رہے ہیں۔ شیطان ان کے جی میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ تم دانشور ہو، عبقری ہو عذاب و ثواب توہمات کی باتیں ہیں اور بے وقوف لوگ ان توہمات کو مانتے ہیں —— قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ (البقرہ: ۱۳) (انہوں نے کہا کیا ہم ان باتوں کو مان جائیں جیسے یہ بے وقوف لوگ مانتے ہیں۔ سن لو یہ لوگ خود بے وقوف ہیں مگر انہیں وقوف نہیں کہ وہ بیوقوف ہیں)

بعض لوگوں کی عقل موٹی ہوتی ہے اور انہیں احساس اور اعتراف ہوتا ہے کہ وہ ذہنی صلاحیتوں سے محروم ہیں۔ ان کی عاجزی اور فروتنی ان کے عیب پر پردہ ڈال دیتی ہے بعض لوگ بے وقوف ہوتے ہیں اور انہیں اپنے آپ پر دانشور اور عبقری ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ ایسے بے وقوفوں کی حالت بڑی مضحکہ خیز ہوتی ہے۔ خدا اس آیت میں یہ کہہ رہا ہے کہ یہ نام نہاد دانشور ان بے وقوفوں میں سے ہیں جنہیں یہ وقوف بھی نہیں کہ وہ بے وقوف ہیں۔

اس ملک کے دانشوروں سے بھی جب ہم آج کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کا سقوط اللہ کا ایک دردناک عذاب ہے تو وہ کہتے ہیں: اس میں عذاب کی کیا بات ہے؟ قوموں کو کبھی فتح ہوتی ہے کبھی شکست ہوتی ہے ۔ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ (مومنون: ۸۱)۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ فراستِ ایمانی سے محروم انسان ہمیشہ سے ایک جیسی باتیں کہتے رہے ہیں۔

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ہماری غفلت اور شقاوت شدید تر ہو گئی۔ ہم انفرادی اور اجتماعی بداعمالیوں میں یوں چھوٹ ہو گئے ہیں جیسے ہم خدا کی زد سے باہر ہو گئے ہوں یا جیسے اس ملک میں اللہ کا قانون

جزا و سزا معطل ہو گیا ہو۔ یہ کیفیت سخت ہلاکت آفریں ہے۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ○ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ○ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (اعراف : ۹۷، ۹۸، ۹۹)

(بستیوں میں رہنے والوں کو کس نے ضمانت دی ہے کہ ہمارا عذاب راتوں رات اُن پر نازل نہ ہوگا۔ جب وہ بے خبر سورہے ہوں گے ۔ کیا بستیوں میں رہنے والوں نے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ لیا ہے کہ ہمارا عذاب دن دہاڑے اُن پر نازل نہ ہوگا جب وہ کھیل کود میں لگے ہوں گے ۔ کیا اللہ کی چال سے وہ محفوظ ہو بیٹھے ہیں؟ اللہ کی چال سے اپنے آپ کو وہی لوگ محفوظ سمجھتے ہیں جو خائب و خاسر ہیں۔)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

محمدی انقلاب کے چند خط و خال

حضرت مولانا سیّد ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

فاران اکیڈمی
قذافی سٹریٹ ۳۰، اردو بازار، لاہور

قاسم محمود
فاران اکیڈمی ۱۷۔اے اردو بازار لاہور نے
باجازت ورثائے سید ابوبکر غزنوی مرحوم شائع کی
اشاعت ثانی : جولائی ۱۹۹۵
تعداد اشاعت: ۶۰۰
قیمت :

۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وہ انقلاب جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لائے، اس کی اُبھری ہوئی خصوصیات کیا ہیں؟

اِس رُوئے زمین پر جو انقلاب برپا ہُوئے، اُن کے تقابلی مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اُن میں سے بعض انقلاب محض سیاسی تھے، بعض اقتصادی تھے، بعض ثقافتی تھے مگر وہ انقلاب جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس رُوئے زمین پر برپا کیا، وُہ اخلاقی بھی تھا، روحانی بھی تھا، ثقافتی بھی تھا، سیاسی اور اقتصادی بھی تھا، طبیعیاتی (PHYSICAL) بھی تھا، مابعدالطبیعیاتی (META PHYSICAL) بھی تھا۔ لینن اور ماؤ کا انقلاب محض اقتصادی اور سیاسی تھا، اخلاقی اور رُوحانی نہ تھا۔ لینن اور ماؤ جدلیاتی مادّیت (DIALECTICAL MATERIALISM) کے قائل ہونے کی وجہ سے مابعدالطبیعات کے سرے سے منکر ہیں۔ پس لینن اور ماؤ کے برپا کیے ہوئے انقلاب بھی ناقص اور ادھورے ہیں۔ مختلف انقلابوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات مجھ پر منکشف ہُوئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انقلاب سے زیادہ جامع، ہمہ گیر اور بھرپُور انقلاب اس رُوئے زمین پر آج تک برپا نہیں ہوا۔

محمدی انقلاب ابتدائی مرحلوں میں

یہ کہنا حقائق کی سراسر تکذیب ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو انقلاب لائے وُہ ابتدائی مرحلوں میں صرف اخلاقی اور رُوحانی انقلاب تھا اور معاشی مسائل پر توجہ بہت بعد میں منعطف

کی گئی ۔ اگر ابتدائی مکی سورتوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ابتدائی مرحلے میں جہاں نماز کی تلقین کی گئی ہے ، اللہ سے تعلق جوڑنے کی ترغیب دی گئی ، معاشی انقلاب کا آغاز بھی اسی مرحلے میں ہو گیا تھا۔

سورۂ ہُمزہ مکی سورت ہے ۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے :

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۙ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۡ

ہلاکت ہے ہر طعنہ زنی اور عیب چینی کرنے والے کے لیے جس نے مال سمیٹا اور گن گن کر (تجوریوں میں) رکھا ۔ اس کا گمان ہے کہ اس کا مال اس کے ساتھ سدا رہے گا ۔ ہرگز نہیں ۔ ہڈیوں کو چٹخا دینے والی دوزخ میں اسے جھونک دیا جائے گا۔

سورۂ تکاثر میں دیکھیے :

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۗ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

مال کی بہتات کی ہوس نے تمہیں غافل کر دیا ہے اور یہ ہوس تمہیں مرتے دم تک لگی رہتی ہے ۔ ہوش کرو اس کا انجام تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائیگا۔

ابو لہب بہت مال دار آدمی تھا ۔ انقلاب کے ابتدائی مکی دور میں اس کا نام لیکر اعلان کیا گیا :

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۗ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۗ

ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوا ۔ اس کا مال اور دولت جو اس نے سمیٹی تھی اس کے کام نہ آسکی ۔

پھر سورۂ ماعون ملاحظہ فرمائیے :

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ○ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ○ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ○

کیا تُو نے اس شخص کو دیکھا جو جھٹلاتا ہے ارتکازِ دولت کی سزا کو۔ یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو خود کھانا کھلانا تو درکنار اس کی ترغیب بھی نہیں دیتا۔

ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک دُوسرے کے ساتھ حریفانہ کش مکش ہیں ہم نے حقیقتوں کا چہرہ مسخ کیا۔ ہم نے اس انقلاب کا حُلیہ بگاڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کو معاشی اعتبار سے شدّت سے جھنجھوڑا اور اس انقلاب کا آغاز اپنی ذات سے کیا۔

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب

آغاز اپنی ذات سے کیا

اسبابِ راحت اور اسبابِ تعیش کا تو وہاں گزر نہ تھا، اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی معاشرے کے حوالے کر دیں۔ خود فقر و فاقہ کی سختیاں جھیلتے رہے اور غریبوں، مسکینوں اور بے نواؤں کی چارہ سازی کرتے رہے۔ حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں پر چکّی چلاتے سے گٹے پڑ گئے تھے، خود جھاڑو دیتی تھیں اور گرد اڑ کر ان کے کپڑوں پر پڑتی تھی۔ خود پانی بھرتی تھیں اور مشکیزے کے پٹے کے نشان ان کے کندھوں پر پڑ گئے تھے۔ ایک دن اپنے بابا سے خادم مانگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقِی اللّٰہَ یَا فَاطِمَۃُ وَاَدِّیْ فَرِیْضَۃَ رَبِّکِ وَاعْمَلِیْ عَمَلَ اَھْلِکِ، ھِیَ خَیْرٌ لَکِ مِنَ الْخَادِمِ۔

(اے فاطمہ اللہ سے ڈرتی رہو، اپنے رب کے فرائض ادا کرتی رہو اور اپنے گھر والوں کے کام کاج میں لگی رہو۔ خادم ہونے سے یہ زندگی جو تم بسر کر رہی ہو

تمہارے لیے بہتر ہے)

اس انقلاب کا آغاز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اور گھر سے ہوا۔ انقلاب مارکس اور لینن کا ہو یا ماؤ کا ہو یا حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہو، یاد رکھیے، وہ ہمیشہ انقلابی کی ذات اور گھر سے شروع ہوتا ہے۔ تاریخِ عالم اس بات کو جھٹلاتی ہے کہ کبھی ایسا ہوا ہو کہ انقلابی خود راحت اور تعیش میں ڈوبا ہوا ہو اور اس نے معاشی انقلاب برپا کیا ہو۔

محنت کش اور مزدور کو عزت بخشی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جھوٹے وقار (FALSE PRESTIGE) کے خلاف جہاد کیا۔ وہ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے صحاح ستہ کی مختلف روایات، جو حضرت عائشہ، حضرت حسن بصری اور ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں، سے پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بکری کا دودھ خود دوہ لیتے تھے۔ کپڑے کو پیوند خود لگا لیتے تھے۔ اپنی جوتیاں خود گانٹھ لیتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دینے میں بھی عار نہ تھا۔ بازار سے سودا سلف خود اٹھا کر لاتے۔

مسجد قبا کی تعمیر شروع ہوئی تو صحابہ کرام کے ساتھ آپ بھاری پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہؐ! آپ رہنے دیجئے ہم جو اُٹھا رہے ہیں مگر آپ برابر پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے رہے۔ پھر مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو آپ صحابہؓ کے ساتھ مل کر کچی اینٹیں بنانے کا کام کرتے رہے اور خود اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لاتے اور صحابہ کرامؓ یہ شعر پڑھتے تھے۔

لَئِن قَعَدْنَا والنبی یعمل
فذاكَ مِنَّا العَمَلُ المُضَلَّلُ (فتح الباری۔جلد)

(اگر ہم بیٹھ جائیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کام کریں تو ہمارا بیٹھ جانا بہت ہی بُرا عمل ہوگا)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

خَیْرُ الکَاسِبِ العَامِلِ اِذَا نَصَحَ (مجمع الزوائد)

(کسب معاش کرنے والوں میں سب سے بہتر محنت کش ہے جب وہ اخلاص سے کام کرتا ہے۔)

حدیث میں ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ کان یأکل مع الخادم۔ "وہ اپنے خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے"۔ یہ اسلامی نظامِ حیات کی ابجد ہے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ جو لوگ معاشرے میں اسلام کی طرف دعوت دینے والے ہیں، وہ عملی طور پر اس کی ابجد ہوّز سے بھی محروم ہیں اور نوکر کو اپنے دسترخوان پر بٹھانا تو ان کے لیے ناقابلِ تصوّر ہے۔ لاہور میں گزشتہ دنوں ایک ڈنر میں شرکت کا اتّفاق ہُوا۔ جس میں بڑے بڑے حامیانِ دین اور مفتیانِ شرعِ متین شریک تھے۔ مَیں نے میزبان سے کہا کہ میرے ڈرائیور کو اندر بُلا لیجئے۔ وہ کھانا میرے ساتھ کھائے گا۔ میرے ڈرائیور کو تو انھوں نے ذرا سی ہیّنٹ وپس کے بعد بُلا لیا مگر بیسیوں ڈرائیور اور چپراسی رات گیارہ بجے تک باہر بھُوکے بیٹھے رہے۔ میرے ڈرائیور نے مجھے بعد میں بتایا کہ سب ڈرائیور اور چپڑاسی ان اسلام کے علمبرداروں کو گالیاں دیتے رہے اور ان پر لعنتیں بھیجتے رہے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ ہم اسلام کا نام محض (SLOGAN) کے طور پر بولتے ہیں اور اس ملک میں سوشلزم کا لفظ بھی (SLOGAN) کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

رُخ بے نقاب مصلحتوں کے پڑے ہُوئے
لب پہ زمانہ سازی کی مُہریں لگی ہُوئیں
جیسے زبان و دل میں کوئی ربط ہی نہیں

موقف کی بُنیاد ضد اور عناد پر نہیں رکھنی چاہیے۔ یہ نہیں کہ دُشمن اگر صاف سُتھرے کپڑے پہنتا ہے تو آپ گندے اور غلیظ کپڑے پہننے لگیں۔ یہ نہیں کہ اگر آپ کا دُشمن سچ بولتا

ہے تو آپ اس کی ضد میں آکر جھوٹ بولنے لگیں۔ یہ نہیں کہ آپ کا حریف غریب مزدور اور کسان کی حمایت کرتا ہے تو آپ ان کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں یا ارتکازِ دولت کرنے والوں کی حمایت کرنے لگیں۔

علامہ اقبالؒ حقیقی معنوں میں حکیم الامت تھے۔ اُنہوں نے مزدور اور کسان کی حمایت میں بھرپور آوازہ بلند کیا۔ ایک ایسا آوازہ جس میں سب آوازیں مدغم ہونے لگیں۔ ؎

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

اپنی نظم "سرمایہ و محنت" میں کہا ؎

دستِ دولت آفریں کو مزد یُوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ

اور اپنی نظم "الارض" میں جاگیرداروں کو شدّت سے جھنجھوڑا۔ ؎

دِہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں

اپنے ایک مضمون میں یوں رقمطراز ہیں:

"مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے۔

فاصبحتم بنعمته اخواناً
(اس کی نوازش سے تم بھائی بھائی ہو گئے)

میں اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کسی قوم کے افراد صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے اخوان نہیں ہو سکتے جب کہ وہ ہر پہلو سے ایک دوسرے کے ساتھ مساوات نہ رکھتے ہوں اور اس مساوات کا حصول بغیر ایک ایسے سوشل نظام کے ممکن نہیں جس کا مقصود سرمایہ

کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھ کر مذکورہ بالا مساوات کی تخلیق اور تولید ہو۔"

(زمیندار ۲۴۔جون ۱۹۲۳ء)

قرآن مجید بار بار دولت مندوں سے کہتا ہے کہ تمہارے مال میں غریبوں کا حق ہے یعنی تم ان پر کوئی احسان نہیں کرتے ہو۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ارض و سما کے ہم ہی مالک ہیں اور نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ اور ہم ہی ہیں کہ تمہیں بھی اور انہیں بھی رزق دیتے ہیں، اسی لیے قرآن و حدیث میں بار بار کہا گیا کہ تمہارے مال میں غریبوں کا حق ہے:

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم

(ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے)

اور فرمایا وَاٰتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسَاكِين

(یعنی یتیموں اور مسکینوں کا حق انہیں دے دو)

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"انّ فی المال حقاً سوی الزکوٰۃ"

(یقیناً مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی لفظ "حق" ہی استعمال فرمایا۔ ساری دقتیں اور دشواریاں دولت کو گردش میں لانے کے سلسلے میں اسی لیے ابھرتی ہیں کہ ہمیں اس بات کا یقین نہیں آتا کہ ہمارے مال میں غریبوں کا حق ہے۔ حقدار کو حق دلانا ہر حکومت کا فرض ہوتا ہے اور جب بھی کوئی حق غصب کرتا ہے تو حکومت جبراً حقدار کو حق دلاتی ہے۔ اگر ہمیں یہ یقین آ جائے کہ غریبوں اور مزدوروں کا ہمارے مال میں حق ہے تو منطقی اعتبار سے ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ اگر غاصبان حق برضا و رغبت حقداروں کو ان کا حق دینے

پر آمادہ نہ ہوں، تو حکومت جیسے دُوسرے حق حقداروں کو جبراً دلاتی ہے، یہ بھی غریبوں کو جبراً دلائے "تشکیل الٰہیات جدیدہ" میں علامّہ اقبالؒ نے امام ابن حزمؒ کا چھ بار ذکر کیا ہے۔ امام ابن حزمؒ جو بہت بڑے محدّث تھے، المحلّی کی چھٹی جلد میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں سے جس کے پاس فالتو سواری ہے، وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد غذا ہے، وہ ان لوگوں کو لوٹا دے جن کے پاس غذا نہیں ہے۔ ص۱۵۸

آپ غور کیجئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا کہ عطا کر دیجئے یا بخش دیجئے بلکہ لوٹانے کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس لفظ کے استعمال سے یہ وضاحت فرما دی کہ تم حقداروں کو ان کا حق لوٹا رہے ہو کوئی احسان تو نہیں کر رہے ہو۔ ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایک جنس اور مال کی ایک ایک قسم کا جُدا جُدا ذکر کیا حتیٰ کہ ہمیں یقین آگیا کہ فالتو مال پر ہمارا کوئی حق نہیں رہا۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے ایک سال جب غلّے کا شدید قحط ہوا، احکام صادر کیے کہ مَیں نے غلّہ سٹاک کرنے کے مختلف مرکز بنا دیئے ہیں اور وہ تمام لوگ جن کے گھروں میں غلّہ پڑا ہے، ان مرکزوں میں اس غلّے کو اکٹھا کر دیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ ہر گھر کے افراد کے تناسب کے اعتبار سے اس غلّے کو مساوی طور پر تقسیم فرماتے رہے۔

مَیں پُوچھتا ہوں کہ ابو عبیدہ بن جراحؓ نے ان جاگیرداروں کو اس غلّے کا کونسا معاوضہ دیا تھا۔ بلال بن حارث المزنیؓ کو ایک بہت بڑا رقبہ حضورؐ نے عطا کیا۔ حضرت عمرؓ نے جب زرعی اصلاحات شروع کیں تو زمین کا وہ تمام حصّہ جسے وہ کاشت نہ کر سکے اُن سے چھین لیا اور مسلمانوں میں اُسے بانٹ دیا۔ یہ واقعہ "کتاب الخراج" میں بھی لکھا ہے اور "کنز العمال" میں بھی ہے۔ مَیں پھر اس بات کی وضاحت کرتا ہوں کہ بلالؓ بن حارث کو حضرت عمرؓ نے اس چھینی ہُوئی زمین کا کوئی معاوضہ نہ دیا تھا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ یہ

باتیں تو درست ہیں لیکن ان باتوں کو ذاتی انتقام کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ اس لیے ان باتوں کا اظہار نہ کرنا ہی مناسب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ذاتی انتظام کے لیے تو تمام تعزیرات کو استعمال کیا جاسکتا ہے، تو کیا اس خدشے کی بنا پر تمام تعزیرات میں تحریف اور تاویل کی جائے اگر کوئی احکامِ الٰہی کو ذاتی انتقام کی خاطر استعمال کرتا ہے تو وہ اللہ اور معاشرے کے سامنے جوابدہ ہے اور اللہ کے قانون جزاوسزا سے بچ نہ سکے گا۔

سب کچھ لٹا دیا

اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضؓ حجاز کی ممتاز متموّل خاتون تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے مال سے تجارت کرتے تھے۔ جب اس ہمہ گیر اور بھرپور انقلاب کو برپا کرنے کا کام آپ نے شروع کیا تو ان کا کاروبار مندا پڑنے لگا۔ جب آپ نے یہ آوازہ بلند کیا کہ تمام انسان اللہ کی نظر میں برابر ہیں۔ بلال حبشیؓ سردارانِ قریش سے افضل ہے تو عربوں کی حمیّتِ جاہلیہ کو سخت دھچکا لگا۔ پھر ہمہ تن انقلاب کے کام میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے حضورؐ کو تجارت کا کام بند کر دینا پڑا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خدیجہ کبریٰ رضؓ کے پاس جس قدر اندوختہ تھا، اسلام پھیلانے کی خاطر خرچ کر ڈالا۔ تمام اثاثہ اس راہ میں لٹا دیا گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے تو آپ کے پاس سواری کے لیے کوئی جانور بھی نہ تھا۔

سردارانِ قریش نے جب اس تحریک کو شدّت سے اُبھرتے ہُوئے اور جھوٹی قدروں کو مسمار ہوتے ہُوئے دیکھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حجاز کا حکمران بنانے کے لیے تیار ہو گئے اور کہا کہ ہم آپ کو اپنا فرمانروا بنالیں گے، ہم عرب کی حسین ترین عورت آپ کے نکاح میں دینے کے لیے تیار ہیں، ہم دولت کے ڈھیر آپکے قدموں میں لگا دینگے بشرطیکہ آپ اسلامی نظریۂ حیات کے پرچار سے باز آجائیں۔ مگر اس انسان نے جو تمام

کائنات کی فلاح و بہبود کے لیے اُٹھا تھا اور جو دونوں جہاں کی سعادتیں بنی نوعِ انسان کی جھولی میں ڈالنا چاہتا تھا، ان تمام پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور گالیاں اور پتھر کھانے پر راضی ہو گیا۔

قریش اور عرب کے سرداروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا۔ ہم تمہارے پاس کیسے آکر بیٹھیں، تمہاری مجلس میں ہر وقت غریب، مفلس اور نچلے طبقے کے لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹاؤ تو ہم آکر بیٹھیں گے، مگر وہ انسان جو رنگ، نسل، خون اور خاک کے بتوں کو توڑنے کے لیے آیا تھا، اُس نے ان سرداروں کی خاطر غریبوں کو دھتکارنے سے انکار کر دیا۔

تمام انسانوں کے لیے یکساں رحمت تھے

اس تحریک کی ایک اُبھری ہوئی خصوصیت یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ملک، اپنی قوم، اپنے قبیلے، اپنے خاندان کے مفاد کو بنی نوعِ انسان کے مفاد پر ترجیح نہ دی۔ آپ ہر قسم کی کُنبہ پروری اور اقربا نوازی سے برتر رہے۔ اسی بات نے دُنیا والوں کو یقین دلایا کہ آپ تمام اقوام کے لیے سراپا رحمت بن کر آئے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کی آواز پر ہر قسم کے انسانوں نے لبیک کہا۔ اگر آپ اپنے گھرانے کی برتری کے لیے کام کرتے تو غیر ہاشمیوں کو کیا پڑی تھی کہ آپ کا ساتھ دیتے؟ اگر آپ کو یہ فکر لاحق ہوتی کہ قریش کی برتری اور اقتدار کو تو کسی طرح بحال کروں تو غیر قریشی عربوں کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی کہ وہ اس کام میں شریک ہوتے۔ اگر آپ عرب کا بول بالا کرنے کے لیے اُٹھتے تو بلال حبشیؓ اور صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ کو کیا پڑی تھی کہ آپ کا ساتھ دیتے۔ وہ بات جس کی وجہ سے تمام بنی نوعِ انسان آپ کی طرف کھنچتے چلے آئے آپ کی بے لوث خدا پرستی تھی اور آپ کا تمام ذاتی، خاندانی اور نسلی مفادات

سے بلند و برتر ہونا تھا۔

جب آپ نے یہ آوازہ بلند کیا کہ بلال حبشیؓ سرداران عرب سے افضل ہیں اور ہر طرح کی فضیلت اور شرف، تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر ہے اور قریشی اور ہاشمی ہونے کی بنا پر تمہیں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، تو قریش اور عرب کے سردار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ آپ کے قتل کی سازشیں کرنے لگے۔
حضور علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کو خیرباد کہنا پڑا۔ جب آپ مکّہ سے جا رہے تھے تو آپ نے حضرت علیؓ سے کہا: علی! تم یہیں رہ جاؤ، یہ لوگ جو میرے قتل کے درپے ہیں، اُن کی امانتیں لوٹا دینا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کی امانتیں بھی لوٹا دینے والے اور ہم سیاست کی بنیاد ہی غنڈہ گردی اور شہداپن پر قائم کرنے والے، ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا نسبت؟

جب مکّہ فتح ہوا تو آپ کی راہ میں کانٹے بچھانے والے، آپ پر اوجھریاں پھینکنے والے، آپ کے قتل کی سازشیں کرنے والے سب سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے۔
آپ نے فرمایا: اِذْ ھبوا اَنتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم
جاؤ میں تم سب کو رہا کرتا ہوں۔ آج کے دن کے بعد تم پر کوئی ملامت نہیں ہے آج بات ختم ہو گئی اور میں نے تم سب کو معاف کیا۔ بات بات پر اپنے مسلمان بھائیوں سے یہ کہنا کہ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا، حد درجہ غیر اسلامی بات ہے۔ یہ فقرہ ابوجہل اور ابولہب کہتے تھے کہ ہم تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔ پس ہر وہ شخص جو بار بار اپنے مسلمان بھائیوں سے یہ کہتا ہے کہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا، ابوجہل اور ابولہب کی رُوح اس کے اندر حلول کر گئی ہے۔

منتشر اجزاء کو مرتّب کیا

محمّدی انقلاب کی ایک اُبھری ہُوئی خصوصیت یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاشرے کے منتشر اجزا کو مرتب اور مربُوط کیا اور اسے باطل سے ٹکرا دیا۔ اُنہوں نے یہ نہیں کہا کہ جوانوں کو بوڑھوں سے ٹکرا دیا ہو اور GENERATION GAP کا سوال پیدا کر دیا ہو۔ اُنہوں نے یہ نہیں کیا کہ غریبوں کو امیروں سے بھڑا دیا ہو۔ اُنہوں نے یہ نہیں کیا کہ مزدوروں کو صنعتکاروں سے اور کسانوں کو زمینداروں سے ٹکرا دیا ہو اور معاشرے کے مختلف طبقوں کو آپس میں گتھم گتھا کر دیا ہو جیسا کہ کارل مارکس اور لینن نے کیا۔ آپ نے جوانوں سے کہا کہ بوڑھوں کے سفید بالوں کا خیال کرو، آپ نے بوڑھوں سے کہا کہ بچّوں پر شفقت کرو۔ مَن لم یُوَقِّر کبیرنا وَلَم یَرحَم صَغِیرَنَا فَلَیسَ مِنّا۔ (جو بڑوں کا احترام نہیں کرتا اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا سب کچھ معاشرے کی فلاح وبہبود پر لگا دیا تو اپنے قائد کے اس ایثار کو دیکھ کر معاشرے کے متموّل افراد کے اندر غریب پروری کا جذبہ خود بخود اُبھرنے لگا اور کسی جبر اور تشدّد کے بغیر بلکہ شدید رضا ورغبت کے ساتھ معاشرے کی خوشحالی پر بے دریغ خرچ کرنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امیروں سے کہا کہ تمہارے پاس جو کچھ مال ومنال ہے، سب اللہ کا بخشا ہُوا ہے اور غریبوں کا تمہارے مال میں حق ہے۔ ان کا حق ان کو لٹا دو۔ یوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے معاشرے کے مختلف طبقوں کو باہم متحد اور منظم کیا اور حق کی حمایت میں باطل کے خلاف سب کو صف آرا کر دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"واللہ لیتمن ھٰذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضرموت لا یخاف الا اللہ ولکنکم تستعجلون"

خدا کی قسم دعوتِ اسلام کا جو کام ہوا ہے پایۂ تکمیل کو پہنچ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ صنعاء یمن سے حضرموت تک مسافر چلا جائے گا اور اسے کسی کا کھٹکا نہ ہوگا۔

عدی بن حاتم رضی اللہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: "لتفتحن کنوز کسریٰ۔"

وہ وقت یقینی طور پر آنے والا ہے جب کسریٰ کے خزانے تمہارے قدموں پر ڈھیر ہوں گے۔" حضورؐ نے جب یہ الفاظ فرمائے مسلمانوں کی بے چارگی کا یہ حال تھا کہ خود ان کے وطن کے دروازے بھی ان پر بند تھے، قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا نام سُن کر متعجب ہوئے۔ عدی بن حاتمؓ ضبط نہ کر سکے۔ حیران ہو کر پوچھا: "کون کسریٰ؟ کسریٰ بن ہرمز شہنشاہِ ایران؟"

فرمایا: "ہاں! وہی اور کون۔" آپ نے فرمایا عدی!

"لئن طالت بك حیاۃ لترین الرجل یخرج ملء کفه من ذھب یطلب من یقبله فلا یجد احدًا" (صحیح بخاری)

یعنی عدی تمہیں اس پر تعجب کیوں ہے۔ اگر تم زندہ رہے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ اسلامی معاشرے کی خوشحالیوں کا یہ حال ہوگا کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا لے کر صدقہ و خیرات کے لیے نکلے گا مگر کوئی خیرات لینے والا نہ ملے گا۔ سب آسودہ حال ہوں گے۔"

عدیؓ کہتے ہیں کہ میں زندہ رہا اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے فتح ایران کے بعد کسریٰ کا خزانہ کھولا اور صحابہ نے اسلامی معاشرے کی خوشحالی کا وہ دور دیکھا کہ صدقہ و خیرات لینے والا کوئی شخص نہ ملتا تھا۔

محمدی انقلاب امن اور سلامتی، آسودگی اور خوشحالی کا ضامن ہے۔ ایک مجے

کے لیے غور کیجیے کہ اپنے آقا سے بے وفائی کرکے ہم نے کیا پایا ہے۔ چوریاں اور ڈکیتیاں جن کے تذکرے سے آدھا اخبار بھرا ہوا ہوتا ہے ـــ افلاس، بھوک ـــ چیتھڑے اور دھجیاں۔

ساتھیو! وقت کا سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ اس ملک میں محمدی انقلاب برپا کرنے کے لیے ہم اپنا مال، اپنا وقت، اپنی توانائی، اپنی تمام جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو کھپا دیں۔ نتائج تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ تمام عواقب اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس عظیم مقصد کے لیے جسم و جان کی بازی لگا دینی چاہیے۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں

خطباتِ جہاد

حضرت مولانا پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

فاران اکیڈمی
قذافی سٹریٹ ◎ ۱۷ اردو بازار لاہور

جملہ حقوق محفوظ

قاسم محمود

فاران اکیڈمی ۱۷۔ اردو بازار لاہور نے

باجازت ورثائے سید ابوبکر غزنوی مرحوم شائع کی

اشاعت ثانی : جولائی ۱۹۹۵

تعداد اشاعت: ۶۰۰

قیمت :

مسئلہ جہادِ کشمیر

دفاع کا فرضِ عظیم اور مسلمانانِ پاکستان

یہ حضرت مولانا پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا خطبہ جمعہ ہے جو انہوں نے ۲۰ راگست ۱۹۶۵ء کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں ارشاد فرمایا۔ اس میں کتاب و سنت کی روشنی میں مسئلہ جہادِ کشمیر کی وضاحت کی گئی ہے

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشمیر میں صورتِ حال نازک ہوگئی ہے۔ کشمیر کے مسلمان حیات وموت کی آخری کش مکش میں مُبتلا ہیں۔ ایک ہمسایہ مُسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے ہم پر واجب ہے کہ ہم غور کریں کہ آج جب کہ کشمیر کے جیل خانے مظلوم اور مقہور مسلمانوں سے بھر گئے ہیں اور کشمیر کے محاذ پر مسلمانوں کی لاشیں خاک وخون میں تڑپ رہی ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ کا تقاضا ہم سے کیا ہے؟

مسلمانانِ کشمیر کی مظلومیت تاریخ کی ایک کھُلی ہوئی حقیقت ہے۔ کشمیر کے مسلمانوں نے گلاب سنگھ کے مظالم سہے۔ پرتاب سنگھ کے جبر وتشدد کو برداشت کیا، ہری سنگھ کے ظلم وستم کا شکار ہوئے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک کا بٹوارا ہوا اور پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ ریاستوں کو عوام کی تائید سے پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کی اجازت دی گئی۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو مسلمانانِ کشمیر نے ایک عظیم الشان اجتماع میں پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا، مگر ہری سنگھ نے سازش کی اور بھارتی فوج سے مل کر عوام کی خواہش کے علی الرغم ہندوستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا اور ملک پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ یوں اٹھارہ برس سے کشمیر کا مسلمان ڈوگرہ راج اور بھارتی سامراج ـــــ ان دو غلامیوں کے بوجھ تلے دب کر کراہ رہا ہے۔ سختیاں جھیل جھیل کر ان کی رُوحیں زخمی ہوگئی ہیں۔ ان کے جسم مضمحل ہو چکے ہیں۔

دفاع کا فرضِ عظیم

اسلام کے شرعی واجبات و فرائض میں سے ایک نہایت اہم اور اکثر حالتوں میں ایمان و کفر تک کا فیصلہ کر دینے والا فرض دفاع ہے۔ دفاع سے مراد یہ ہے کہ جب بھی کسی مسلمان آبادی پر کوئی غیر مسلم گروہ یا حکومت حملہ آور ہو یا غاصبانہ قبضہ کرے یا کسی مسلم آبادی پر ظلم ڈھائے، تو یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر شرعاً فرض ہو جاتا ہے کہ دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اس مسلم آبادی کو غیر مسلموں کے قبضہ و اقتدار سے لڑ کر بچائیں اور اس مقصد عظیم کے لیے اپنی ساری قوتیں اور طاقتیں صرف کر ڈالیں۔ اپنی تمام کوششوں کو اس کام کے لیے وقف کر دیں جو ملک جس قدر اس مظلوم آبادی کے قریب ہے، اس پر ذمہ داری اسی قدر زیادہ عائد ہوتی ہے۔

دفاع کے بارے میں پہلی آیت

بقول اکابر مفسرین پہلی آیت جو فریضہ دفاع کے بارے میں اتری، سورۂ حج کی یہ آیت ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ

[اللہ مومنوں پر سے ان کے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اس کی دی ہوئی قوت اس کی راہ میں صرف کرنے میں خیانت کرتے ہیں اور صد درجہ کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔ جن مسلمانوں سے لڑائی کی جا رہی ہے انہیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس لیے کہ ان پر ظلم ڈھایا گیا اور اللہ مظلوموں کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق اپنی آبادیوں سے نکال دیے گئے۔ اس کے سوا تو ان کا کوئی

ے

جُرم نہ تھا کہ وہ کہتے تھے، ہمارا رب اللہ ہی ہے۔

مسلمان بھائی کو ظلم سے نجات دلانا ضروری ہے

آج کشمیر کے بھائیوں کا جُرم فقط یہ ہے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرنے والے ہیں اور محمد رسول اللہ کے دامن سے وابستہ ہیں۔

قرآن نے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں کہا کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت کمزوری اور بیچارگی کے باعث دشمنوں کے چنگل میں آگئی ہے اور اس چنگل سے اپنے آپ کو چھڑانے کی سکت نہیں رکھتی، تو ایسی حالت میں دُوسرے مسلمانوں پر جو آزاد ہوں اور جنگ کی طاقت رکھتے ہوں، فرض ہو جاتا ہے کہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کو اس ظلم سے نجات دلانے کے لیے جنگ کریں۔

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیًّا واجعل لنا من لدنک نصیرا۔ (النساء)

[تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے جنگ نہیں کرتے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ ہم پر ظلم ڈھا رہے ہیں اور اپنی خاص عنایت سے ہمارے لیے حامی اور مددگار بنا۔]

اس آیت کا انداز صاف بول رہا ہے کہ وہ لوگ جو ان مظلوموں کی یاوری و مددگاری نہیں کرتے خدا ان کی بے حسی پر سخت برہمی کا اظہار کر رہا ہے۔

—— "ما لکم" —— تم کو کیا ہو گیا ہے۔

دوسری جگہ اور زیادہ وضاحت سے تاکید کی:

وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر (الانفال)

[اگر وہ دینی رشتے کا واسطہ دے کر تم سے مدد مانگیں، تو تم پر واجب ہے کہ تم ان کی مدد کرو۔]

پس اے عزیزانِ ملت! یاد رکھو کہ اسلامی احکام میں فریضہ دفاع جو اہمیت رکھتا ہے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے بعد کوئی فریضہ، کوئی عمل، کوئی عبادت اس اہمیت کی حامل نہیں۔ یہ فریضہ نماز سے افضل، یہ فریضہ روزوں سے افضل، یہ فریضہ تسبیح و تحمید و تہلیل سے افضل ہے اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں محض جذبات کی رو میں بہہ کر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اس حدیث کا ترجمہ کر رہا ہوں جو بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا:

ای العمل افضل

(کونسا عمل سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔)

فرمایا: ایمان باللہ و رسولہ (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔)

پوچھا: ثم ماذا۔ (پھر اس کے بعد؟)

فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں جہاد کرنا)

بات سیدھی اور صاف ہے جس عمل میں جس قدر زیادہ ایثار و قربانی ہوگی، اس کا اجر و ثواب بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ ظاہر ہے جہاد کے عمل میں جو ایثار اور قربانی دینی پڑتی ہے کسی اور عمل میں ایسی قربانی اور ایثار نہیں کرنا پڑتا ہے۔ ترمذی شریف میں ہے۔ ایک مرتبہ صحابہؓ کی ایک جماعت میں اس بات کا چرچا ہوا: ای الاعمال احب الی اللہ ؟ (تمام اعمال میں اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟)

اس پر سورہ صف نازل ہوئی:

اِن اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانھم بنیان مرصوص۔

(اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر ــــ یوں استقامت کے ساتھ جم کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں۔)

سب سے افضل عمل جہاد ہے

پس آج ہر وہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوئے محض اسلامی اخوت کے رشتے کی بنا پر کشمیر کے محاذ پر لڑ رہا ہے، وہ اپنی تمام معصیتوں اور گناہوں کے باوجود ان عابدوں زاہدوں اور شب زندہ داروں سے افضل ہے، جن کے دل میں کبھی جہاد کا خیال تک نہیں گزرتا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حرس لیلة فی سبیل اللہ افضل من الف لیلة یقام لیلھا و یصام نھارھا۔
یعنی جہاد کی ایک رات ہزار دنوں کے روزوں اور ہزار راتوں کی عبادت سے بھی افضل ہے۔ (اخرجہ الامام احمد عن مصعب بن الزبیر)

ایک شخص نے آپ سے پوچھا، یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل بتا دیجیے کہ مجاہدین کا ثواب حاصل ہو۔ فرمایا: ھل تستطیع ان تصلی فلا تفتر و تصوم فلا تفطر؟
(تم یہ طاقت رکھتے ہو برابر نماز پڑھتے رہو اور کبھی سست نہ پڑو۔ برابر روزے رکھتے رہو اور کبھی بیچ میں افطار نہ کرو۔)

عرض کیا: انا اضعف من ان استطیع ذالک (اس کی تو مجھے طاقت نہیں)

فرمایا: فوالذی نفسی بیدہ لو طوقت ذالک ما بلغت فضل المجاھدین فی سبیل اللہ۔

(میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر تمہیں اس بات کی توفیق مل بھی جاتی جب بھی تم ان لوگوں کی فضیلت کہاں پا سکتے تھے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ (رواہ احمد)

پس اگر رسول اللہ کا فرمان سچ ہے اور شریعت محمدیہ برحق ہے، تو ہمیں اس بات پر ایمان لانا چاہیے کہ ہر وہ گنہ گار مسلمان جو آج کشمیر کے مقہور و مظلوم مسلمانوں کی نصرت و حمایت میں سینہ سپر ہے،

تم اپنے زہد و تقویٰ کی رعونت میں ہزارا سے معصیت آلود کہو ــــــ تمہاری مدّت العمر کی عبادتیں اس کے سینے کے ایک زخم خونچکاں ــــــ نہیں بلکہ اس زخم سے بہتے ہوئے خون کے ایک قطرے کی بھی عظمت نہیں پا سکتی ہیں

حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت فضیل بن عیاض کو ایک مرتبہ یہ اشعار لکھ کر بھیجے تھے۔

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا

لعلمت انك بالعبادۃ تلعب

(اے کبھی مکے اور کبھی مدینے میں عبادت کرنے والے! اگر تو ہمارا حال دیکھے تو تجھے یقین آجائے کہ تو نے عبادت کو ایک اضحوکہ .... ایک کھیل بنا رکھا ہے)

من کان یخضب خدہ بدموعه

فنحورنا بدمائنا تتخضب

(وہ جس نے اپنے رخسار (یا دخدا میں) آنسوؤں سے تر کر لیے ہیں، میدان جنگ میں آکر ہمیں دیکھے کہ ہماری گردنیں (اس کی محبت میں) خون سے رنگین ہو رہی ہیں۔)

ریح العبیر لکم و نحن عبیرنا

رھج السنابك و الغبار الاطیب

(عطر کی مہک تمہارے لیے ہے۔ ہمارا عطر تو میدان جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھا ہوا غبار ہے۔)

حضرت فضیل نے جب یہ اشعار پڑھے تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ روتے تھے اور بار بار کہتے تھے:

"صدق ابو عبد الرحمٰن"

عبداللہ بن مبارک نے سچ کہا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یہ اشعار نقل

کیے ہیں۔

غرض یہ کہ دفاع اسلام کے ان بنیادی فرائض میں سے ہے جن کو ایک مسلمان مسلمان ہوتے ہوئے ترک کرنے کی کبھی جسارت نہیں کر سکتا۔ اگر ایک مسلمان کے دل میں رتی بھر ایمان بھی باقی ہے تو اللہ کا یہ حکم اسے کمربستہ کر دینے کے لیے بس کرتا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیٰوۃ الدنیا من الآخرۃ، فما متاع الحیٰوۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل (۹: ۳۹)

(اے ایمان والو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو، تو تمہارے پاؤں بوجھل ہو جاتے ہیں اور تم زمین پر ڈھیر ہو جاتے ہو: کیا آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو بیٹھے ہو؟ اگر یہی بات ہے تو یاد رکھو جس زندگی پر ریجھے ہوئے ہو، وہ آخرت کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہے۔)

ساتھ ہی فرمایا:

الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیما ویستبدل قوماً غیرکم

یاد رکھو اگر تم نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی اور وقت آنے پر بھی حق کی راہ میں نہ نکلے تو اللہ تمہیں غلامی کے دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو حق کی حمایت کے لیے کھڑا کر دے گا۔ تم چھانٹ دیے جاؤ گے۔ حق تمہاری حمایت کا محتاج نہیں۔ تم ہی اپنی زندگی اور بقا کے لیے حق کے محتاج ہو۔

اسلام کی مخالفت اور لا دین نظام حیات کی حمایت میں کافر ایک دوسرے کے ساتھی اور حامی ہیں۔ والذین کفروا بعضہم اولیاء بعض

جن لوگوں نے اسلام سے انکار کیا وہ ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار ہیں۔ پس مسلمانوں کے لیے بدرجۂ اولیٰ ناگزیر ٹھہرا کہ وہ باہم یاوری اور مددگاری کریں۔

فسادِ نیّت اجر سے محروم کر دیتا ہے

میں یہاں اس بات کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کشمیر کے مسلمان بھائیوں کی یادری و مددگاری صرف اس لیے ہم پر واجب ٹھہری کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتے ہیں اور محمد رسول اللہ کے دامن سے وابستہ ہیں۔ وہ اسلامی اخوت و مودّت ہی کا رشتہ ہے جس نے ہم پر یہ فرض عاید کیا ہے۔ میں وضاحت سے کہتا ہوں کہ جو شخص محض خون اور نسل کے رشتے کی بنا پر یاور و مددگار ہے وہ اس اجر و ثواب کا ہرگز مستحق نہیں جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ وہ ان آیات وا حادیث مذکورہ کا ہرگز مخاطب نہیں، گو اس نے بھی وہ تمام صعوبتیں اور کلفتیں جھیلیں جو ایک مجاہد جھیلتا ہے، مگر فسادِ نیت کی بنا پر وہ اس اجر و ثواب سے محروم رہا۔

پس اسلامی اخوت و مودّت کی بنا پر اسلام نے ہم پر واجب ٹھہرایا کہ ان کشمیری بھائیوں کی مال و جان سے مدد کریں۔ اس دفاع میں شریک ہونا اس لیے بھی ضروری ہوا کہ کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ غیر آئینی طور پر اکثریت کے فیصلے کے خلاف ہوا اور اس پر غاصبانہ قبضہ کیا گیا۔ ان دو نیتوں میں کوئی تعارض تو نہیں۔

یاد رکھیے کہ فریضۂ دفاع میں کوتاہی ایک ایسی معصیت، ایک ایسا فسق ہے جسے حدیث میں نفاق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے:

من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه به مات على شعبة من النفاق

جو اس حالت میں دُنیا سے گیا کہ نہ تو کبھی اسلام کے دشمنوں سے جنگ کی اور نہ کبھی اپنے جی سے جہاد کی بات کہی یعنی جہاد کا عزم و ارادہ بھی نہ کیا، تو اس کی موت ایسی حالت پر ہوئی جو نفاق کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔

میرے بھائیو! آج مطلع غبار آلود ہے۔ خون کی لالی اُفق پر چھا گئی ہے۔ جنگ کی آگ بھڑک اُٹھی ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اس کے شعلے ہماری سرحدوں کی طرف لپکیں۔ پس پاکستان

کے ہر مسلمان پر یہ شرعاً واجب ہوا کہ وہ اپنے دل میں دفاع کے اس فریضۂ شرعیہ کی ادائیگی کے لیے ایک طلب، ایک اُمنگ اور ایک ولولہ محسوس کرے۔ ہر وہ مسلمان جس کا دل اس عزم و طلب سے خالی ہے، وہ ایمان و اسلام کی روشنی سے محروم ہوا اور نفاق کی ظلمت اس کے دل پر چھا گئی۔

امام احمدؒ و مسلمؒ نے نعمانؓ بن بشیرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثل المؤمنين فی توادّهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكى به عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمّى۔

مسلمانوں کی مثال باہمی مودّت، محبت اور ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم واحد کی۔ اگر اس کے ایک عضو میں شکایت پیدا ہوتی ہے، تو سارا جسم چھنکنے لگتا ہے اور تڑپ اُٹھتا ہے۔

پس اگر یہ سچ ہے کہ آج کشمیر کے مسلمان بھائی قید و محن کی سختیاں جھیل رہے ہیں اور ڈوگرہ راج اور بھارتی سامراج کے ظلم و تشدّد کا شکار ہو رہے ہیں، تو حیف ہے ہم پر اگر ان کے درد و کرب کو ہم اپنے قلب و جگر میں محسوس نہیں کرتے۔ اگر یہ سچ ہے کہ آج کشمیر کے محاذ پر مسلمانوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی ہیں، تو اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو ہم پر اگر ہم ان کے زخموں کی ٹیسیں اپنی روح کی گہرائیوں میں محسوس نہ کریں۔

ملّتِ اسلامیہ جسم واحد ہے۔ اگر ہاتھ کی ایک اُنگلی زخمی ہو گئی ہے، تو تمام اعضاء کا بیقرار ہونا بدیہی سی بات ہے اور جب تک وہ اعضا کٹ کر جدا نہیں ہو جاتے ناممکن ہے کہ اس درد سے متاثر نہ ہوں۔

سردار عبدالقیوم اور ان کے ساتھیوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ شب غم کی آخری گھڑیاں ہیں۔ جی کڑا کرو، غم کی تاریکیاں بہت جلد چھٹ جانے والی ہیں۔ صبح آزادی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ وہ دن قریب آگیا ہے جب غلامی کی زنجیریں حرّیت پسندوں کی تیغ سے کٹ چکی ہوں گی اور کشمیر کی حسین، سرسبز و شاداب وادی قطع دابر القوم الذین ظلموا

کے دلنواز زمزموں سے گونج اُٹھے گی۔ مقبوضہ کشمیر کے جیل خانوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں زندگی بسر کرنے والو! تم جیل خانوں کے روزنوں سے جھانک کر دیکھو! منزل قریب آگئی ہے۔ زنجیروں کی جھنکار تیز کردو۔

ان قید و سلاسل کو ہم نغمہ سکھلائیں گے شورش بربط و نے
وہ شورش جس کے آگے زبوں ہنگامہ طبلِ قیصر و کے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت مولنا پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا خطبۂ جمعہ جو انہوں نے ۲۷ر اگست کو دار العلوم تقویۃ الاسلام میں ارشاد فرمایا

مولانا سید ابوبکر غزنوی نے خطبہ مسنونہ کے بعد سورہ توبہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وعلی الثلثة الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت و ضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیہ ثم تاب علیھم لیتوبوا ان اللہ ھو التواب الرحیم ○

آپ نے فرمایا:

آج ہمارے ملکی حالات کا دھارا جس رُخ پہ بہہ رہا ہے، غزوہ تبوک میں ہمارے لیے بہت کچھ عبرت کا سامان ہے۔ ہجرت کے نویں سال یہ خبر تمام ملک عرب میں پھیل گئی کہ رومیوں کی فوج نے مسلمانوں پر دھاوا بولنے کی ٹھان لی ہے۔ شام کے قبطی سوداگروں نے جو مدینہ میں روغن زیتون بیچنے آتے تھے، یہ خبر دی کہ رومیوں نے شام میں ایک بھاری لشکر اکٹھا کر دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ صحابہؓ میں کفار سے جنگ کرنے کے لیے عجب جوش اور ولولہ پیدا ہوا۔ جہاد کی تیاری کے لیے صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں پر مال و متاع کا ڈھیر لگا دیا۔ وہ یہی موقع تھا جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا اثاثہ بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا تھا اور جب ان سے پوچھا گیا تھا:

ما ابقیت لاھلك ؟ (اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی رکھا ہے ؟)

تو اس پیکرِ ایثار نے جواب دیا تھا :

ابقیت لھم اللہ و رسولہ (اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لیے چھوڑ آیا ہوں !)

انہیں اس بات کی معرفت تھی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی سب سے بڑا سرمایۂ حیات ہے ۔

جہاد میں شریک ہونے کے لیے منّت وزاری

آپؐ تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہُوئے ۔ بعض نادار مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے کہ ان کے پاس سامانِ سفر نہ تھا ۔ آپؐ جب مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے ، تو وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہُوئے ۔ وہ لوگ زار زار روتے تھے کہ ہمیں اس سعادت سے محروم نہ رکھیے ۔ اللہ کی راہ میں جان قربان کر دینے کا یہ سنہری موقع ہے ۔ وہ منّتوں سے کہتے تھے کہ ہمیں بھی ساتھ لے چلیے ، مگر بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے حصّے میں ایک ایک سواری آئی تھی ۔ ان کے لیے سواریوں پر گنجائش نہ ہو سکی اور آپ نے معذرت چاہی ۔ اللہ کو ان کا یہ جذبہ اتنا پیارا معلوم ہوا کہ اس نے اپنے آخری اور لافانی صحیفے میں ان کے ذکر کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ۔

ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا و اعینھم تفیض من الدمع حزنًا الا یجد وا ما ینفقون (توبہ)

اُن لوگوں پر تو کچھ گناہ نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں بھی سوار کر لیں تو آپ نے کہا اب میرے پاس کوئی سواری باقی نہیں رہی جس پر تمہیں سوار کر سکوں ۔ وہ دیکھیے پتھر رکھ کر) لوٹ گئے ۔ مگر ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے ، اس غم کے مارے کہ ان کے پاس خرچ نہیں کہ وہ ساتھ جا سکیں ۔

ذرا غور کیجیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا کون سا مقام ہے ــــــ آپ کی صحبت کے فیض سے وہ عشقِ الٰہی کے نشے میں کیسے سرشار تھے کہ وہ اپنا سر اللہ کی راہ میں کٹوانے کے لیے بے تاب تھے۔ جب اس کا موقع نہ ملا تو وہ رو رو کر نڈھال ہو گئے۔ وہ روتے اس لیے تھے کہ جب اسلام کی عزت و ناموس کی خاطر مسلمان سختیاں جھیل رہے ہوں گے اور مسلمانوں کے لاشے خاک و خون میں تڑپ رہے ہوں گے، ہم بدبخت و نامراد اپنے گھروں کی چھتوں کے نیچے آرام و راحت کی نیند سو رہے ہوں گے۔

انتہائی بے سروسامانی

گرمی شدت کی پڑ رہی تھی۔ مسافت لمبی تھی۔ فصل پک چکی تھی اور کٹائی کا وقت آ گیا تھا۔ بے سروسامانی کا یہ عالم کہ دو دو صحابیوں کے حصے میں ایک ایک کھجور آتی تھی۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ کئی صحابہ ایک ہی کھجور باری باری چوستے اور پانی پی کر گزر اوقات کرتے تھے۔ پھر پانی کا فقدان ہوا اور اونٹوں کی آلائش نچوڑ کر پینے کی نوبت آ گئی۔ سواریوں کی ایسی قلت کہ ایک ایک سواری پر دس دس آدمی اترتے چڑھتے جا رہے تھے، اس لیے اس لشکر کا نام "جیش العسرۃ" مشہور ہوا ــــــ الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ الآیۃ۔

تین صحابی جو جنگ میں حاضر نہ ہو سکے

تین آدمی مقدور ہونے کے باوجود جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ، مرارہ بن ربیعؓ۔ کعب بن مالکؓ سابقین انصار میں سے ہیں اور ان تہتر مخلصین میں سے جو عقبہ کی بیعت میں حاضر ہوئے تھے، ان کے اخلاص میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ کوئی فسادِ نیت نہ تھا۔ بس بشریت کا تقاضا غالب آ گیا اور نکلتے نکلتے دیر ہو گئی۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کا لشکر واپس آ گیا۔

امام بخاریؒ نے ایک لمبی روایت خود حضرت کعب بن مالکؓ کی زبانی نقل کی ہے اور اس واقعہ کے لیے خاص باب باندھا ہے۔ اس روایت کے بعض حصّے اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں :

"لوگ جہاد کے لیے سامانِ سفر تیار کر رہے تھے مگر مجھے کچھ تشویش نہ تھی۔ اللہ کے فضل سے ہر طرح کا سامان مجھے میسّر تھا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس تھیں۔ خیال تھا کہ میں آجکل میں لشکر سے جاملوں گا۔ اسی ادھیڑبن میں وقت نکل گیا۔"

حضورؐ نے تبوک پہنچ کر فرمایا :

"ما فعل کعب بن مالک ؟ - کعبؓ بن مالک کو کیا ہوا ؟

بنی سلمہ کے ایک آدمی نے کہا :

" اس کی عیش پسندی نے اُسے نکلنے کی اجازت نہیں دی۔"

حضرت معاذؓ پاس کھڑے تھے کہنے لگے :

"بئسما قلت ؟ واللہ یا رسول اللہ ! ما علمنا علیہ الا خیرا ۔ تُو نے کتنی بُری بات کہی ۔ یارسول اللہ ! خدا کی قسم ہم نے تو کعبؓ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

کعبؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ مدینہ شہر خالی ہو چکا تھا۔ میں گھر سے باہر نکلتا تو چند منافقوں اور چند اپاہج اور معذور مسلمانوں کے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں سخت شرمندہ ہوا اور ابھی سفر کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔

حضرت کعبؓ کی پریشانی اور بارگاہِ رسالت میں حاضری

حضرت کعبؓ بن مالک سخت پریشان ہوئے کہ میں اپنے آقاؐ کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ حضرت کعبؓ نے دیکھا کہ منافقین جھوٹے حیلے بہانے تراش رہے ہیں اور چونکہ

شریعت میں حکم ظاہر پر ہوتا ہے، وہ ظاہری گرفت سے چھوٹ گئے۔ آپ ان کے عذر قبول کر رہے تھے اور فرماتے تھے کہ خدا تمہیں بخشے، اللہ تمہارے دلوں کے حال سے آگاہ ہے۔

حتیٰ کہ کعبؓ بن مالک بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔

تَبَسَّمَ تَبَسُّمَ الْمُغْضَبِ۔

آپؐ نے غضب آمیز تبسّم فرمایا۔

میں نے خانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب، مزاجِ دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ کعبؓ کہنے لگے:

"یا رسول اللہ! میرے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں۔ میں مجرم ہوں۔ اب آپ جو فیصلہ چاہیں، میرے حق میں دیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما ھٰذا فقد صدق فقم حتّٰی یقضی اللہ فیک۔

"البتہ یہ شخص سچّی بات کہہ رہا ہے۔ اچھا جاؤ اور وحی الٰہی کا انتظار کرو۔"

آپؐ نے "اَمَّا ھٰذَا" میں بہت کچھ کہہ دیا اور سب کچھ بین السطور کہا۔

فریضۂ دفاع میں کوتاہی سنگین جُرم ہے

آپ نے دیکھا کہ فریضۂ دفاع میں کوتاہی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں اتنا بڑا جرم قرار پایا کہ اعترافِ جُرم بھی کیا اور ندامت بھی ہوئی، لیکن مغفرت نہ ہو سکی۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان تینوں کا سوشل بائیکاٹ کرو۔ ان سے تمام تعلقات منقطع کر دو۔ کوئی ان سے بات چیت نہ کرے، نہ کوئی ان کے سلام کا جواب دے۔ یہ تینوں مُجرم ہیں اور ان کا جُرم بڑا ہی سنگین ہے کہ عین اس وقت جبکہ مسلمان اسلام کی عزّت و ناموس کے دفاع کے لیے صعوبتیں جھیل رہے تھے، یہ دُنیا کے دھندے

میں لگے رہے، پھر ان کی بیویوں کو حکم ملا کہ وہ بھی ان سے الگ ہو جائیں اور ان سے کوئی واسطہ نہ رکھیں

کعبؓ کہتے ہیں ـــــ اس حکم کے ملتے ہی صحابہؓ نے ہم سے منہ پھیر لیا۔ کوئی ہم سے بات تک کرنے کا روادار نہ تھا۔ ہم ایک ایک کا منہ حسرت سے تکتے تھے اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ہم پر تنگ ہو گئی۔ میرے دونوں ساتھی گھر بیٹھ گئے۔ اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے رہے۔ مَیں اپنی قوم میں سخت جان تھا۔ مَیں جماعت کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا۔ نماز کے بعد میں بارگاہ رسالتؐ میں سلام عرض کرتا اور دیکھتا رہتا کہ آپؐ کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی یا نہ ہوئی۔ پھر میں آپؐ کے قریب ہی کہیں نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا اور کنکھیوں سے انہیں دیکھتا ـــــ یا مولانا جامی کا شعر یاد آ گیا ہے

خوش آنکہ تو نشینی و من پیش روئے تو

سازم بہانہ بہر نگاہے نماز را

آپؐ کے دیدار کی تدبیر اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے کہ آپ تشریف فرما ہوں اور آپ کے چہرۂ انور کے آس پاس کہیں آپ کے مکھڑے پر ایک بھرپور نظر ڈالنے کی خاطر میں کئی کئی رکعتیں پڑھوں۔

فرماتے ہیں ـــــ میں جدھر ان کی طرف منہ موڑتا، تو وہ مجھ سے رُخ پھیر لیتے۔ زندگی اجیرن ہو گئی۔ میں تنگ آ کر اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہؓ کے پاس گیا۔

واللہ ما ردّ علی السلام (خدا کی قسم اس نے مجھے سلام کا جواب تک نہ دیا۔)

مَیں نے بہتیرا چاہا کہ وہ مجھ سے بات کرے مگر اس نے ایسی چُپ سادھی کہ مجھ سے کوئی بات نہ کی۔

غسّان کے عیسائی بادشاہ نے یہ حال سنا تو خوش ہوا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ کعبؓ کے نام خط لکھا:

فقد بلغنا ان صاحبك قد جفاك ... فالحق بنا نواسك۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تیرا آقا تم پر سخت ظلم ڈھا رہا ہے ... ہمارے پاس

چلے آؤ - ہم تیری چارہ سازی کریں گے - ہم تیری غمگساری کریں گے ۔

حضرت کعبؓ نے قاصد کی موجودگی میں خط پڑھتے ہی آگ میں جھونک دیا - اہل اندھے کو کیا خبر تھی کہ وہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت سے فیضیاب تھے، ان کی نظر میں رحمۃ للعالمینؐ کی جفائیں بھی غیروں کی وفاؤں سے ہزار درجہ افضل تھیں۔

اسے جفا ہائے تو خوشتر ز وفائے دیگراں

ان مومنین صادقین پر یہ آزمائش پورے پچاس دن رہی - حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی ۔

وعلى الثلثة الذين خلفوا حتّى اذا ضاقت عليهم الارض بما رحبت وضاقت عليهم انفسهم فظنّوا ان لا ملجا من الله الا اليه ثم تاب عليهم ليتوبوا ان الله هو التواب الرحيم o

(اور وہ تین آدمی جن کا معاملہ فیصلۂ الٰہی کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ سو جب تمام مسلمانوں نے ان سے قطع تعلق کر لیا، تو زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔ وہ اپنی زندگی سے بھی بیزار ہو گئے اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں؛ جو اس سے انہیں پناہ دے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ یقیناً اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرنے والا اور خطا کاروں پر مہربان ہے۔)

اس واقعہ سے فریضۂ دفاع کی اہمیّت و قطعیت اُبھر کر ہمارے سامنے آجاتی ہے ۔

جب رومیوں نے حملے کی تیاریاں کیں، تو ہر مسلمان پر جہاد شرعاً واجب ہو گیا۔ اگرچہ گرمی شدت کی پڑ رہی تھی اور منافق کہتے تھے :

لا تنفروا فى الحر

اس شدت کی گرمی میں تو جہاد کے لیے نہ نکلو۔

اللہ تعالیٰ نے کہا :

قل نار جهنّم اشد حرًا لو كانوا يفقهون

آپ ان سے کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ تپش والی ہے'
اسے کاش کہ وہ سمجھ بوجھ رکھتے۔

سفر دور دراز کا تھا۔ بے سروسامانی حد سے گزری ہوئی تھی۔ حجاز میں فصل پک چکی تھی اور کٹائی کا وقت آگیا تھا اور ٹکراؤ اس سلطنت سے تھی جو آدھی دنیا پر چھائی ہوئی تھی، لیکن کوئی عذر قبول نہ ہوا۔ اگر مشکلات اور مجبوریوں کے عذر سنے جا سکتے تو ان حالات سے بڑھ کر کون سے حالات عذر داری کے لیے مناسب ہو سکتے تھے، مگر دفاع کا فرض ایسا سخت اور اٹل تھا کہ کوئی عذر مسموع نہ ہوا۔ حکم ہوا کہ تمام سختیاں جھیل لو، مگر دشمن کو روکنے کے لیے بہرصورت، بہرکیف کھڑے ہو جاؤ۔

پھر دیکھیے : وہ تین مسلمان جو جہاد میں شریک نہ ہو سکے، پکے مومن تھے، وہ ہر معرکے میں شریک ہوتے رہے۔ وہ زندگی بھر اللہ ورسولؐ کی خاطر قربانیاں دیتے رہے۔ حضرت کعبؓ بن مالک السابقون الاولون میں سے تھے اور ان جاں نثاروں میں سے تھے جو عقبہ کی بیعت میں شریک ہوئے اور اس دفعہ جہاد میں شریک ہونے سے اگر رہ گئے، تو کسی فساد نیت کی بنا پر نہیں، بلکہ محض تقاضائے بشریت مستعدی سے کام نہ لیا۔ تاہم دیکھو! فریضۂ دفاع میں کوتاہی اللہ کی نظر میں ایسا سنگین جرم قرار پایا کہ زندگی بھر کی نیکیاں کام نہ آسکیں۔ اعترافِ جرم اور نجابت کے باوجود سخت سے سخت سزا جو دی جا سکتی تھی، دی گئی۔ اسلامی برادری سے نکال دیے گئے۔ پچاس دن مسلسل اور پیہم گریہ وزاری کرتے رہے، تب کہیں جاکر توبہ قبول ہوئی۔

بارگاہِ الٰہی میں توبہ کی قبولیت کا جو حال ہے، آپ کو معلوم ہے — بارگاہ جہاں سے پیہم یہ صدا آتی ہے۔ ؎

بازآ بازآ ہر آں چہ ہستی بازآ ۔ گر کافر و گبر و بت پرستی بازآ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ۔ صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

وہ بارگاہ جس کا یہ عالم ہے :

" لو اخطأتم حتی تملأ خطایاکم ما بین السماءِ والارض، ثم استغفرتم

ان اللہ یغفر لکم :

اگر تم زمین سے لے کر آسمان تک تمام خلا اپنی خطاؤں سے بھر دو، پھر آکر مجھ سے بخشش مانگو، تو اللہ سب کچھ بخش دے گا۔

مگر دیکھو! اسلام اور ملت اسلامیہ کی عزت و ناموس کی حفاظت اور مدافعت سے غفلت کرنا اللہ کی نظر میں ایسا سخت جرم قرار پایا کہ ندامت اور خجالت کے باوجود انہیں مسلسل پچاس دن کی سزا بھگتنی پڑی، تب کہیں جا کر توبہ قبول ہوئی۔

سامانِ عبرت

آج اس واقعہ میں ہمارے لیے بڑا ہی عبرت کا سامان ہے۔ جنگ ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ کشمیر میں کئی بستیاں نذرِ آتش کر دی گئیں۔ نہتے اور کمزور مسلمانوں پر گولیاں برسائی جا رہی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود پاکستان کی سرحدوں کے اندر داخل ہو کر گجرات اور سیالکوٹ پر بھارتی طیاروں نے بم برسائے۔ حجت تمام ہو چکی۔

پس اگر ہندوستان سے ٹکر ہوتی ہے اور تمام سرحدوں پہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور (خاکم بدہن) پورا ملک اس آگ کی لپیٹ میں آجاتا ہے، تو ایسی صورت میں ہر مسلمان پر قطعاً واجب ہو گا کہ وہ ملت اسلامیہ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے مال و جان کی ہر قربانی دینے کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ ہر وہ شخص جو فریضۂ دفاع کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا۔ ہر وہ شخص جس کے دل پر موت کے خوف سے لرزہ طاری ہو گا اور جہاد سے گریز کے لیے حیلے بہانے تراشے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں سنگین مجرم ہے۔ وہ شخص اپنے زہد و تقویٰ، علم و فضل، تہجد گزاری اور شب زندہ داری کے باوجود اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں سب سے بڑا سیاہ کار اور گنہگار ہو گا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

یہ خطبہ حضرت مولنا پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے
۱۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کو دیا۔

یہ محض توفیقِ الٰہی ہے

یہ محض توفیقِ الٰہی ہے کہ دشمن کے سازوسامان اور افواج کی کثرت کے باوجود تم نے انہیں اپنی سرحدوں سے باہر مار بھگایا ہے۔ اگر اللہ کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی تو ہم حالات پر قابو نہیں پا سکتے تھے۔ محمد رسول اللہ کے دامن سے وابستہ ہونے کے صدقے ہی اللہ نے ہم پر یہ کرم کیا، ہماری تمام بداعمالیوں اور معصیتوں کے باوجود اللہ نے ہماری یاوری و مددگاری کی۔

پس اللہ کے سامنے جھک جاؤ، اس کے سامنے گڑگڑاؤ۔ اللہ نے آیت مذکورہ میں جہاں اپنی معیّت و نصرت کا ذکر کیا، تو ساتھ ہی کہا:

یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون ○

"اے ایمان والو! ہم نے تمہاری نصرت و اعانت کی اور شکست کی ذلت و نامرادی سے بچا لیا۔ تو تم پر واجب ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو۔"

پس اللہ کے سامنے جھک جاؤ۔ اس کا شکریہ بجا لاؤ۔ سجدۂ شکرانہ ادا کرو۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی نصرت و حمایت کا ذکر کیا تو ساتھ ہی کہا کہ اب تم اللہ سے ڈرو اور پرہیزگاری اختیار کرو۔

ولقد نصرکم اللّٰہ ببدرٍ وانتم اذلۃ فاتقوا اللّٰہ لعلکم تشکرون ○

"یقیناً اللہ نے جنگِ بدر میں تمہاری مدد کی، حالانکہ تم ناتواں تھے، جنگی سامان بھی کم تھا اور فوج بھی نسبتاً کم تھی، پس تقویٰ اختیار کرو، تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ۔"

گویا اللہ کے نزدیک شکر گزاری یہی ہے کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

آدابِ جنگ کتاب وسنّت کی روشنی میں

پس ہر مسلمان سپاہی جو جنگ کے محاذ پر اس وقت لڑ رہا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے تبلائے ہوئے طریق پر جنگ لڑے اور میدانِ جنگ میں کتاب وسنت ہی کو مشعلِ راہ بنائے، ہمارا ہر عمل اللہ ہی کے لیے ہونا چاہیے ہمارا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے۔

پاکستانی افواج سے خطاب

اے لشکرِ اسلامی کے سپاہیو! جنگ بھی اللہ ہی کے لیے کرو، جنگ اس نیّت سے کرو کہ اللہ کا حکم ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الّذین یقاتلونکم

اللہ کی خاطر ان لوگوں سے جنگ کرو، جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔

جنگ اس نیّت سے کرو کہ تم اُمتِ محمدیہ کے افراد ہو، جنگ اس نیت سے کرو کہ تم محمدؐ کے دامن سے وابستہ ہو اور وابستگانِ محمدؐ کی رسوائی اسلام کی رسوائی ہے۔

قرآن نے جہاں بھی قتال کا حکم دیا ہے۔ فی سبیل اللہ کا لفظ بالتزام کے ساتھ بولا۔ پس جنگ اللہ ہی کے لیے کرو، خون اور نسل کے رشتوں کی بنا پر جنگ مت کرو، محض ملک گیری کی ہوس میں میدان نہ کرو۔ محض اپنی انانیت کو تسکین دینے کے لیے جنگ مت کرو۔ ترمذی شریف میں ہے۔

ما ذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسد لہا من حرص المرء علی المال والشرف لدینہ

"اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیے جائیں، تو وہ بھی

ایسی تباہی و بربادی نہیں مچاتے ہیں، جس قدر مال وجاہ کی ہوس انسان کا دین برباد کر دیتی ہے۔"

پھر مسلم شریف کی وہ حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کس قدر وضاحت کرنے والی ہے اس حقیقت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن سب سے پہلا شخص جس کے خلاف فیصلۂ خداوندی صادر ہوگا، ایک شہید ہوگا، اسے بارگاہِ الٰہی میں لایا جائے گا۔ خدا اس سے کہے گا: میں نے تم پر یہ نوازشیں کیں، تم نے میرے لیے کیا کیا؟ وہ کہے گا میں تیری خاطر لڑتا رہا حتیٰ کہ میں نے تیری راہ میں اپنی جان بھی دے ڈالی، خدا کہے گا:

كذبت ولكنك قاتلت لأن يقال جرئ فقد قيل ثم امربه فسحب على وجهه حتى القى فى النار۔

"تو جھوٹ بول رہا ہے، تُو تو اس لیے جنگ کرتا رہا کہ تو ہیرو کہلائے۔ تجھے بہادر اور دلیر کہیں۔ تو دنیا میں تم پر داد وتحسین کے دونگڑے برسائے جاچکے۔ پھر اسے مُنہ کے بل اوندھا گھسیٹا جائے گا۔ حتیٰ کہ اسے دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔"

ان لوگوں کی بدنصیبی اور محرومی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جو جنگ کی تمام صعوبتیں اور کلفتیں جھیلتے ہیں، لیکن فسادِ نیّت کی وجہ سے ان کا اجر وثواب غارت ہو گیا۔ پس اسلام کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ نیتوں کو سیدھا کرو اور محض فسادِ نیّت کی بنا پر تم اجر وثواب سے محروم نہ رہو۔

ہمارے بعض زعما جنھوں نے مغرب کی آغوش میں پرورش پائی ہے اور جن کے ذہنوں پر مغرب زدگی کی چھاپ لگی ہوئی ہے، ان کی زبانوں پر عزّتِ نفس اور وطن کے لفظ بار بار آتے ہیں، اے کاش وہ یہ بھی کہیں کہ ہماری جنگ اسلام کی عزّت وناموس کی

يا ايها الذين آمنوا اذا لقيتم الذين كفروا زحفا فلا تولوهم الادبار ومن يولهم يومئذ دبره الا متحرفاً لقتال او متحيزاً الى فئة فقد باء بغضب من الله ومأواه جهنم وبئس المصير

اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہاری ٹکر ہو، تو پیٹھ مت دکھاؤ اور جو شخص اس وقت کافروں کو پیٹھ دکھائے گا بجز جنگی چال کے یا اپنی جماعت کی طرف جا ملنے کی نیت سے، اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

شیخ شیراز نے اسی آیت کی روشنی میں کہا تھا:

آں نہ من باشم کہ روزے جنگ بینی پشت من
آں منم کاندر میان خاک وخون بینی سرے

میں وہ نہیں ہوں کہ تو جنگ کے دن میری پیٹھ دیکھے۔ میں وہ ہوں کہ تو میرا سر خاک وخون میں ستھڑا ہوا دیکھے گا۔

اللہ کا ذکر تمہاری زبانوں پہ جاری ہو

دوسری بات یہ کہی کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ اگر ان دو باتوں کا التزام کرو گے تو فتح یابی اور کامرانی تمہارے قدم چومے گی۔

پس دشمن پہ ٹوٹ پڑو

فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منهم كل بنان

ان کی گردنوں پہ مارو اور ان کے پرزے اڑا دو۔ دشمن پہ دھاوا بولو تو تمہاری زبانوں پر اللہ کا ذکر جاری ہو۔

آسمانی لشکر تمہاری پشت پناہی کریں

میں نے تمہیں ہدایت کی راہ دکھائی ہے۔ اس راہ پر گامزن ہو کر اللہ کی نصرت

حمایت کے کرشمے دیکھو اگر اس راہ پر گامزن ہو جاؤ تو دشمن اپنے تمام جنگی آلات اور شیطانی لشکروں کے باوجود تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔ ایک بے پناہ قوت اور لازوال طاقت تمہیں حاصل ہوگی، کائنات کی تمام قوتیں اور طاقتیں سمٹ کر تمہارے دست و بازو بن جائیں گی، آندھیاں اور طوفان تمہاری یاوری و مدد گاری کے لیے اٹھیں گے، بجلیوں کے کوندے تمہارے دشمنوں کی طرف لپکیں گے آسمانی لشکر تمہارے دشمنوں پر جھپٹیں گے اور ان کو نیست و نابود کر دیں گے اگر زمین کی پشت پر بسنے والی شیطانی قوتیں تمہارا ساتھ نہیں دیں گی تو تم یقین کرو کہ آسمانی لشکر تمہاری پشت پناہی کے لیے آسمان سے اتریں گے

وارسلنا علیہم ریحاً وجنوداً لم تروھا

اور ہم نے ان پر زور کی آندھی بھیجی اور وہ لشکر تمہیں نظر نہ آتے تھے۔

یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں محض جذبات کی رو میں بہہ کر نہیں کہہ رہا بلکہ کتاب اللہ کی روشنی میں کہہ رہا ہوں وایدہ بجنود لم تروھا اور دوسری جگہ فرمایا وانزل جنوداً لم تروھا۔

یاد رکھو اس کائنات میں تصرف و اختیار اللہ ہی کا ہے پس اس کے ساتھ تعلق پیدا کرو۔

میرا یہ ایمان ہے کہ اگر آج بھی تم میں وہ یقین اور نسبت پیدا ہو تو اللہ کے فرشتے تمہاری مددگاری کے لیے اتریں گے۔

سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا

یہ اللہ کا اٹل اور غیر متبدل قانون ہے جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور اللہ کا قانون زمانے کی تبدیلیوں سے کبھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

جب انسان کا تعلق اس قادر مطلق سے ہو جاتا ہے تو اسے ایک ایسی قوت حاصل ہوتی ہے جو ناقابل تسخیر ہوتی ہے۔ اسے ایک ایسا آہنی عزم عطا ہوتا ہے جو غیر متزلزل ہوتا ہے۔ اقبال نے کہا تھا۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

ہمارا دشمن یقین و ایمان کی دولت سے محروم ہے

وہ لوگ جن سے ہماری ٹکر ہے یقین و ایمان کی دولت سے محروم ہیں۔ ہندوان کا کوئی نظریہ حیات ہے نہ زندگی کا کوئی نصب العین ہے جس کی قربان گاہ پر وہ اپنے دل و جان کو بھینٹ چڑھا دیں۔ وہ شہادت کی جاوداں زندگی کے تصور سے یکسر عاری ہیں وہ جن کی ہزار سالہ تاریخ غلامی اور تمدن کی ایک لامتناہی حکایت ہے وہ جن کی ہڈیوں میں غلامی کی خصلتیں رچی ہوئی ہیں وہ جن کے خمیر میں غلامی کی ذہنیتیں گندھی ہوئی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ قوم اس ملت اسلامیہ سے ٹکر لینے کی جسارت کر رہی ہے جس کی تاریخ جوانمردی اور بہادری کے ولولہ انگیز کارناموں سے بھری پڑی ہے جس کی تاریخ محض ایک مسلسل فتوحات کی تاریخ ہے۔

اے اسلامی لشکر کے سپاہیو! تم یہ مت بھولو کہ تم حیدر کرار، خالد بن ولید کی شجاعت کے وارث ہو تم یہ مت بھولو کہ محمد بن قاسم اور ابو عبیدہ کی عظیم اور بلال سپاہیوں کی روایات کے تم امین ہو اور طارق بن زیاد کی فتوحات کی میراث تمہارے حصے میں آئی ہے۔ ان عظیم الشان روایات کو زندہ و سلامت رکھو اور اس ہندوستانی سامراج کے پرزے اڑا دو جو اللہ کی سرزمین پر فساد پھیلا رہی ہے۔

پاکستانی فوج کو خراج تحسین

ہندوستان کے اس ٹڈی دل لشکر کے ناگہانی حملے کو ہماری فوجوں نے جس جواں مردی اور بہادری سے پسپا کیا اور دشمن جس بے جگری سے ملک و ملت کی آبرو پر اپنی جانوں کو حقیر تحفہ سمجھ کر بے دریغ نچھاور کیا اس کی یاد ہمارے دلوں سے کبھی محو نہیں ہو سکتی۔ ہمارے دل ان

کی محبت و احترام سے لبریز ہیں۔ انہوں نے اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ اور تابندہ کر دیا ہے۔ ان کی شجاعت اور بسالت نہ صرف پاکستان کی تاریخ میں بلکہ ملتِ اسلامیہ کی تاریخ میں ایک درخشاں اور چمکتا ہوا باب بن گئی ہے۔ آنے والا مورخ مجبور ہوگا کہ اس عظیم الشان کارنامے کے لیے وہ ایک مستقل باب باندھے اور اگر کسی مورخ نے اپنی عصبیت کی بنا پر اس کارنامے کا ذکر نہ کیا تو اس کی تاریخ نامکمل اور ادھوری رہ جائے گی۔

وہ مسلمان سپاہی جو ہندوستانی لشکر کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ وہ لشکر جو ہماری سرزمین کو تاراج کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ ان کی شہادت نے قوم کی رگوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی ہے۔ یاد رکھو! آزادی کے درخت کی قدرتی کھاد بہادر نوجوانوں کی ہڈیاں اور گرم لہو ہے۔ جیسے چند ڈالیوں کے چھٹ جانے سے پودوں کی نشوونما ہوتی ہے اور چند پتوں کی تراش خراش سے باغ سرسبز و شاداب ہوتا ہے، بالکل اسی طرح گردنیں کٹوا کر ہی قوم کو زندگی اور بقا حاصل ہوتی ہے۔

پاکستانی عوام سے خطاب

جب لاہور پر تین اطراف سے یکایک حملہ ہوا تو بالعموم عوام نے جس سکون، اطمینان اور وقار کے ساتھ صورتِ حال کا مقابلہ کیا، وہ ایک مسلمان قوم کے شایانِ شان تھا۔

لیکن تم میں سے بعض نے ہراساں ہو کر بھگدڑ مچائی اور موت سے بچنے کے لیے پاگلوں کی طرح کوئی تم میں سے راولپنڈی بھاگا اور کسی نے پشاور کا رُخ کیا۔ تم نے سمجھا کہ راولپنڈی اور پشاور میں موت نہیں آتی ہے اور وہ صرف لاہور پر ہی منڈلا رہی ہے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا پھر راولپنڈی پر بمباری نہ ہوئی؟ کیا پشاور بموں کی زد سے محفوظ رہ گیا؟

یاد رکھو! موت کا ایک دن معین ہے، دُنیا کی کوئی طاقت اسے مقدم یا موخر نہیں کر سکتی ہے۔

ولو جمعت الانس والجن علی ان یضرك بشئ فلم یضروك الّا بشئ قد کتبه الله علیك۔

اگر تمام جن و انس اکٹھے ہو کر یہ چاہیں کہ اللہ کے معین کردہ وقت سے تمہاری موت کو ہٹا دیں، تو وہ اس پر ہرگز قادر نہیں ہو سکتے ہیں۔

خدا کہتا ہے این ماتکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیّدہ اگر تم مضبوط قلعوں میں بھی اپنے آپ کو بند کرو تو موت تمہیں وہاں بھی جا دبوچے گی، پھر تم اس سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو؟ عرب لوگوں کا مقولہ ہے۔ المستقیت لا یموت۔ موت کے پنجے میں پنجہ ڈالنے والا کم مرتا ہے، موت سے بھاگنے والے کو موت زیادہ دبوچتی ہے۔

مسلمان تو موت کے پنجے میں پنجہ ڈال کر مسکراتا ہے۔

چو مرگ آید تبسم برلب اوست

علماء سے خطاب

قرآن مجید نے جہاں جنگ کے آداب سکھائے اور تعلیم دی کہ جم کر لڑو اور اللہ کا ذکر تمہاری زبانوں پر جاری ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی تلقین کی ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم ہمت ہار بیٹھو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ گو اتحاد و یگانگت کی ضرورت ہر وقت ہوتی ہے، لیکن جنگ کے زمانے میں اتحاد و یگانگت کی ضرورت شدید تر ہو جاتی ہے۔

پس ہر وہ مولوی جو اس وقت قوم کو فروعی اور اختلافی مسائل میں الجھاتا ہے اور یوں مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا باعث بنتا ہے، ملک و ملت کا غدار ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں سنگین مجرم ہے۔ وہ ملی وحدت اور سالمیت کا دشمن ہے۔

صدرِ مملکت سے اپیل ۔ اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمان قوم کا ہر فرد سپاہی

ہے اور اس پر شرعاً واجب ہے کہ وہ جہاد میں بدنی طور پر شریک ہو۔ قوم کے ایک طبقے کو جنگ کی آگ میں جھونک کر پوری قوم کا تماشائی بن جانا قطعاً نازیبا ہے اور یکسر غیر اسلامی ہے۔

میں صدر مملکت سے اپیل کرتا ہوں کہ پاکستان کے تمام شہروں میں فوجی تربیت کے مراکز جلد از جلد کھولے جائیں اور پاکستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو نہایت تیزی کے ساتھ دس کروڑ مسلح سپاہیوں میں بدل کر کفار پر یلغار کی جائے۔ حتیٰ تضع الحرب اوزارھا

ہندوستانی سامراج کو چیلنج

ہندوستانی سامراج کو یہ سمجھنا چاہیے کہ سرفروشی اور جاں سپاری ہماری میراث ہے۔ ہم پاکستان کے چپے چپے کی خاطر جانیں نچھاور کریں گے۔ ہمارا بچہ بچہ ملک وملت کی آبرو پر کٹ مرنے کے لیے بے تاب ہے۔ ہم ہندوستانی سامراج پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ دس کروڑ مسلمانوں کی خاک وخون میں لتھڑی ہوئی لاشوں پر سے گزر کر ہی پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فریضۂ جہاد کے تقاضے

زیرِ نظر مضمون حضرت مولانا پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا خطبہ ہے۔
جو انہوں نے ۱۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کو دار العلوم تقویۃ الاسلام میں دیا

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہِ الکریم

جہاد کے موضوع پر یہ چوتھا خطبہ ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ میں درازنفسی کے لیے بہانے ڈھونڈ رہا ہوں یا محض آپ کے جذبات و احساسات کے پیشِ نظر بات لمبی کر رہا ہوں۔ موضوع کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ ہر بار تقریر ختم کرتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ بات تشنہ رہ گئی ہے۔

آج تمام علماء، تمام فقہا اور تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ ہندوستان کے اس اچانک حملے کے بعد جہاد فرض عین ہو گیا ہے اور فرض عین فقہ کی اصطلاح ہے۔ فقہا کی بولی میں فرائض کی تقسیم یوں ہوئی ہے:

۱۔ فرض کفایہ یہ ہے کہ اگر قوم کے ایک گروہ نے قوم کی نیابت کرتے ہوئے اس فریضے کو انجام دے دیا تو باقی مسلمانوں سے اس وقت ساقط ہو گیا۔

۲۔ فرض عین وہ فرض ہے جو جماعت کے ہر شخص پر فرداً فرداً عائد ہو اور ایک گروہ کے کرنے سے باقی جماعت بری الذمہ نہ ہو سکے۔

اگر مسلمان قوم کسی دوسری قوم پر حملہ آور ہو، تو جہاد فرض کفایہ ہے اور اگر کوئی غیر مسلم حکومت مسلمانوں کی آبادی پر حملے کا قصد کرے، تو ایسی حالت میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور جماعت

کے ہر شخص پر فرداً فرداً جہاد واجب ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے نماز روزہ فرداً فرداً واجب ہے اور ایک گروہ کے نماز پڑھ لینے سے باقی مسلمانوں کے ذمے نماز ساقط نہیں ہو جاتی۔

پس آج جہاد فرض عین ہو گیا ہے اور وقت وہ آگیا ہے کہ صاحب ہدایہ کے لفظوں میں یوں کہیے کہ:

تخرج المراۃ بغیر اذن زوجہا والعبد بغیر اذن المولی

'عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر جہاد میں شریک ہو جائے اور غلام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر جہاد میں حصہ لے۔'

کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر علماء کی آراء باہم ٹکرائی گئی ہوں۔ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس پر مختلف جماعتوں اور گروہوں کے علماء باہم دست و گریباں نہ ہوئے ہوں۔ لیکن یہ مسئلہ کہ اس وقت جہاد ہر پاکستانی پر فرض عین ہو گیا ہے۔ ایسا مسئلہ ہے کہ اس پر تمام علماء، تمام فقہاء، تمام مشائخ کا اتفاق ہوا۔ سب نے بیک زبان کہا کہ جہاد فرض عین ہو گیا ہے۔

جہاد کا شرعی مفہوم کیا ہے؟

یہ سمجھنا فاش غلطی ہے کہ جہاد کا مفہوم محض قتال یا لڑائی ہے۔ قرآن نے یہ لفظ بڑے وسیع مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ جہاد کا لغوی معنیٰ کوشش کرنا ہے اور شرعی اعتبار سے ہر وہ کوشش جو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کی جگہ حق و صداقت کی راہ میں کی جائے، جہاد سے تعبیر کی جاتی ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سُبلنا (جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں، ہم یقیناً انہیں اپنی راہیں سمجھا دیتے ہیں) شریعت کی بولی میں ہر وہ مصیبت اور تکلیف جو حق و صداقت کے لیے برداشت کی جائے جہاد ہے۔ سورۂ فرقان میں ہے: فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جہاداً کبیراً (یعنی کافروں کے خلاف

سخت جہاد کرو۔)

مفسرین کا اتفاق ہے کہ سورۂ فرقان مکی ہے اور قتال کا حکم ہجرت مدینہ کے بعد ہوا پھر یہ کونسا جہاد ہے جس کا مکی زندگی میں حکم دیا جا رہا ہے؟ یہ جہاد یقیناً اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے تمام مشقتیں اور کلفتیں جھیل لینے کا جہاد تھا۔ پس وہ مصیبتیں اور تکلیفیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے ساتھیوں نے اللہ کی خاطر برداشت کیں، خدا انہیں جہادِ کبیر سے تعبیر کرتا ہے۔

جہاد کے مفہوم کی وسعتیں

قرآن و سنت کی روشنی میں جہاد کے مفہوم کی وسعتیں ملاحظہ کیجیے۔ فرمایا:

جاھدوا باموالکم و انفسکم (اپنے مال سے جہاد کرو اور اپنی جانوں سے جہاد کرو)

دوسری جگہ فرمایا:

لکن الرسول و الذین آمنوا معہ جاھدوا باموالھم و انفسھم (لیکن رسول اکرمؐ نے اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، اپنے مالوں سے جہاد کیا اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔) پھر ابوداؤد، نسائی اور دارمی کی اس حدیث کی روشنی میں بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے

جاھدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم (مشرکوں کے خلاف جہاد کرو اپنے مال سے، اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے۔)

پس ہر وہ شخص جو باطل کے خلاف اور حق کی حمایت میں مال صرف کرتا ہے مجاہد ہے اور ہر وہ شخص جس کی زبان اور قلم باطل کے خلاف نبرد آزما ہے، مجاہد ہے۔

جہادِ مالی

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مجاہد جو ملک و ملت کی خاطر محاذوں پر سینہ سپر ہیں جو

اپنی جانیں ہتھیلیوں پہ رکھ کر دشمن کے مقابل ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان کا مقام بہت ہی اونچا ہے۔ وفضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرا عظیما۔

لیکن یاد رکھیے کہ جنگ محض جہاد بدنی سے جاری نہیں رہ سکتی ہے۔ ذرا ایک لمحے کے لیے سوچیے کہ اگر ہم ان سرفروش مجاہدوں کے لیے ضروریات زندگی فراہم نہ کر سکیں، تو ہم جنگ کیسے جاری رکھ سکتے ہیں۔ یہ آلات جنگ، یہ جنگی ساز و سامان، یہ پچاس میل لمبے محاذ پہ ہزاروں مجاہدوں کے مصارف، کروڑوں کی رقم ہر روز صرف ہوتی ہے۔ پس آج اعدوا لھم ما استطعتم پر عمل کرنے کے لیے ارباب گھر بار زرپوں کی ضرورت ہے۔

ایک وہ لوگ ہیں جو آج ملک و ملت کی خاطر میدان جنگ میں سختیاں اور مشقتیں جھیل رہے ہیں اور وہ جن کے لاشے خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ گھروں کی چھتوں کے نیچے آرام و راحت سے بیٹھے ہیں۔ حیف ہے ہم پر اگر ہم ان مجاہدوں کے لیے ضروریات زندگی بھی فراہم نہ کر سکیں۔ حیف ہے ہم پر اگر اس وقت بھی جب کہ قوم حیات و موت کی کش مکش میں مبتلا ہے، ہماری تجوریوں کے قفل نہ ٹوٹیں۔ حیف ہے ہم پر کہ عین اس وقت جب کہ ہماری مقدس سرزمین پر دشمن یلغار کر رہا ہے، ہم بے چارہ و ناتواں لوگ جن سے اور تو کچھ بن نہیں پڑتا ہے، چند سکوں کی قربانی سے بھی دریغ کریں۔

بالخصوص ہمارے تاجروں، صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کو نہایت فیاضی کے ساتھ اپنا مال کھپا دینا چاہیے۔

یاد رکھیے اگر اس فریضے میں کوتاہی کی گئی، تو قیامت کے دن خدا یہ پوچھے گا کہ تمہارے پاس مال و دولت کے انبار لگے ہوئے تھے، تمہاری تجوریاں بھری ہوئی تھیں، اسلام کی عزت و ناموس پر خطرہ منڈلا رہا تھا، مسلمان قوم حیات و موت کی کش مکش میں مبتلا تھی،

مگر تم پر ایسی بے حسی چھاگئی تھی، تمہاری غیرت اسلامی پر ایسی مُردنی طاری ہوگئی تھی کہ تمہاری تجوریوں سے بخل کے تالے نہ ٹوٹے۔ خدا تم سے کہے گا کہ تم نے ساحل پر کھڑے ہو کر ملت کی تباہی کا تماشا دیکھا

اگر بدقسمتی سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، تو تم یوں سمجھو کہ اس حیات و موت کی کشمکش میں اگر تم نے مال بے دریغ صرف نہ کیا تو نہ تم رہو گے، نہ تمہاری یہ تجوریاں رہیں گی اور نہ مال و دولت کے یہ انبار رہیں گے۔ اگر قلب پر ایسا دبیز حجاب ہے کہ اللہ کی بات سمجھ میں نہیں آتی، تو خود اپنے وجود کی خاطر، اپنے اس مال و دولت کی حفاظت کے لیے ——— جو تمہیں ملک و ملت سے عزیز تر ہے، اپنا مال کھپا دو۔

یہ بات تو میں نے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں سے کہی۔ ایک بات غریب اور متوسط طبقے کے ساتھیوں سے بھی کہتا ہوں۔

یہ شیطانی وسوسہ ہے

جی میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر روز لاکھوں کی رقم قومی دفاعی فنڈ میں دی جا رہی ہے۔ اخبارات میں ہر روز ان رقوم کا اعلان ہوتا ہے۔ میرے چند ٹکوں سے کیا ہوتا ہے؛ جیسا کہ میں نے ابتدا میں کہا کہ جہاد عین فرض ہو چکا ہے، اپنے جی کو اس وقت سمجھاؤ کہ اگر اوروں نے لاکھوں کی رقم دی ہے تو اس سے وہ فریضہ جو تجھ پر عاید ہوتا ہے، ساقط تو نہیں ہو جاتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ تم کہنے لگو کہ لاکھوں مسلمان نمازیں پڑھ رہے ہیں، ایک میں نے اگر نماز نہ پڑھی، تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

یاد رکھیے کہ حق اپنی نصرت و حمایت کے لیے تمہارا محتاج نہیں ہے۔ تم اپنی بقا کے لیے حق کے محتاج ہو، حق کی نصرت و حمایت کا سامان تو بہر کیف اور بہر حال ہوگا۔ اگر اللہ کو دالبستگان محمدؐ کی عزت و ناموس کی حفاظت منظور ہوئی، تو تمہاری روگردانی سے کیا ہوتا ہے۔

ان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم اگر تم نے روگردانی کی تو وہ حق کی نصرت و حمایت کے لیے تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے پس یہ ست کھو کر میرے چند ٹکوں سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ کی نظر میں علال کی کمائی کے چند ٹکے ان لاکھوں سے افضل ہیں جن سے اہل اللہ کو سود کی بدبو آتی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنا محاسبہ کرے کہ کیا وہ اپنا فریضہ ادا کر رہا ہے؟ کیا وہ اپنا مال، اپنی جان، اپنی توانائی ملک و ملت کی خاطر صرف کر رہا ہے؟

جہادِ لسانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی زبانوں سے بھی جہاد کرو۔ علماء کا فرض ہے کہ وہ لوگوں پر واضح کریں کہ اس وقت کتاب و سنت کی روشنی میں ان پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔ علماء کا فرض ہے کہ وہ تمام قوم کو سمجھائیں کہ جہاد کی حقیقت کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا طرزِ عمل جنگ میں کیا ہوتا تھا۔ ہر وہ عالم جو اخلاص نیت کے ساتھ یہ کام سرانجام دے رہا ہے مجاہد ہے اور جہادِ لسانی میں مصروف ہے۔ میں نے اخلاص کی قید اس لیے لگائی کہ بعض دفعہ سیاسی جماعتیں ہنگامی حالات میں اپنی کھوئی ہوئی وجاہت کی تلاش میں نکلتی ہیں۔ ان کی نیت کے فساد نے انہیں اجر و ثواب سے محروم کیا۔

خون کا عطیہ دینا بھی جہاد ہے

میں نے عرض کیا کہ جہاد کا مفہوم حق و صداقت کی راہ میں سعی و کوشش ہے۔ وہ شخص جو خون کا عطیہ دیتا ہے، وہ بھی مجاہد ہے۔ اگر ہمارے خون سے زخمی یا جاں بلب مجاہد کی جان بچ جائے تو اس سے بہتر مصرف ہمارے خون کا کیا ہو سکتا ہے؟ مجھ ایسے ہزاروں ناکارہ انسان ایک مجاہد کی جان پر قربان کیے جا سکتے ہیں۔

اخبارات میں چھپوا دیتے ہیں۔

خاک دیتے ہیں جو یوں اہل کرم دیتے ہیں
سو جتاتے ہیں اگر ایک درم دیتے ہیں

دینے کا ثواب غارت ہو

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنا مال، اپنا وقت، اپنی زبان
اپنا علم، اپنی جان اس آزمائش کی گھڑی میں دین و ملت کے لیے وقف کر سکیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خطبۂ جمعہ حضرت مولنا پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، جو انہوں نے
۲۴ ستمبر [illegible] کو دیا

چُست وچاق رہیے

نارمل بند ہونے سے ہم پر غفلت طاری نہیں ہونی چاہیے۔ یہ مت خیال کیجیے کہ خطرہ ٹل گیا ہے اور بات ختم ہو گئی ہے۔ ہمارا دُشمن عیار ہے۔ اس کی شاطرانہ چالوں کی گھات میں رہو۔ چست وچاق رہو متحد رہو اور مستعد رہو۔ ہمیں یہ عزم کرنا چاہیے ، ایک آہنی عزم کہ جب تک کشمیر کے پچاس لاکھ مسلمانوں کو ہم بھارتی سامراج کے چنگل سے نجات نہیں دلاتے ہم آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ راحت اور آسائش کی زندگی ہم پر حرام ہے۔ پاکستان کے اپنے استحکام کے لیے بھی کشمیر کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔

اللہ کا فضل وکرم

بھارت نے پاکستان پر اچانک حملہ کیا۔ ان کے ارادے ناپاک تھے۔ بھارتی سامراج نے ایک بہت بڑی فوج مہیب آلاتِ جنگ کے ساتھ لاہور اور سیالکوٹ کے محاذ پر جھونک دی تھی۔ لشکر کا وہ جم غفیر اور جنگی سازوسامان کی وہ فراوانی ... ہمیں اپنی روح کی گہرائیوں میں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ یہ محض اللہ کا فضل وکرم تھا کہ ہم نے انہیں پسپا کیا۔ یہ محض توفیقِ الٰہی تھی کہ ان کی طاقت کا نشہ ہرن ہو گیا۔ ان کی قوت کا گھمنڈ ٹوٹ گیا۔ یہ حقیقت پھر ایک بار ابھر کر دنیا کے سامنے آ گئی کہ محض افواج کی کثرت اور جنگی سازوسامان کی فراوانی سے مسلمان قوم کی آزادی پامال نہیں کی جاسکتی۔

ہماری فوجوں نے جس شجاعت، بسالت، بے باکی اور جوانمردی سے دُشمن کا مقابلہ کیا اور اسلام کی عزت وناموس کے لیے جس بے دریغی سے اپنی جانوں کو حقیر ترین متاع سمجھ کر نچھاور کیا اس کے نقوش لافانی اور انمٹ ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے اسلاف کی جوانمردی اور بہادری کی تمام روایات کو زندہ اور درخشاں کر دیا ہے۔ اپنی فوجوں کے کارنامے دیکھ کر اپنے

اسلاف کی روایات کا ایک ایک نقش ذہن میں اُبھر آیا ہے۔ ؎

وجلا السیول من الطلول کانہا

زبر تجد متونہا اقلامہا

ہم سراپا سپاس ہیں

ہم اللہ کے حضور سراپا سپاس ہیں۔ زبان قاصر ہے کہ اس کا شکر ادا کر سکے۔ اللہ کے احسانات اور اس کی نوازشوں کا احساس ہونا بھی توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ ہر نعمت میں منعم حقیقی کو دیکھنا اور اس منعم حقیقی کا نظر سے اوجھل نہ ہونا خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

ولقد آتینا لقمان الحکمۃ ان اشکر للہ ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللہ غنی حمید۔

"حضرت لقمان کو یہ حکمت عطا کی کہ اللہ کا شکر ادا کرو اور جو شکر ادا کرتا ہے وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے اور جو کفرانِ نعمت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے اپنی قوت اور طاقت کے سہارے دشمن کو پسپا کیا، تو اس سے اللہ کا کیا بگڑتا ہے۔ وہ تو بے نیاز ہے اور حمد کا سزاوار تو حقیقت میں وہی ہے۔"

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔

"اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں یقیناً تم پر اور نوازشیں کروں گا اور اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے تو میرا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔"

ہماری منزل بہت دور تھی۔ ہم نے پچھلے چند دنوں میں برسوں کی مسافت طے کی ہے۔ ہماری منزل قریب آگئی ہے۔ اس کے فضل و کرم پر شکر بجا لاؤ، تو تمہارا منزل پہ پہنچنا ناگزیر ہے۔

تقویٰ اختیار کرنا حقیقی شکر گزاری ہے۔ یوم تشکر منانے کا ڈھنگ قرآن

سے سیکھو۔ فرمایا:

ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون

"یقیناً اللہ نے جنگ بدر میں تمہاری مدد کی۔ حالانکہ تم ناتواں تھے۔ (تمہاری فوج بھی کم تھی اور تمہارے پاس جنگی سامان بھی کم تھا) پس تقویٰ اختیار کرو، تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ۔"

پس اگر تم اپنی عزت و ناموس کی سلامتی پر یوم تشکر مناتے ہو تو اللہ نے اس کا طریق یہ بتلایا ہے کہ پرہیزگاری اختیار کرو۔ گناہوں اور معصیتوں سے توبہ کرو۔ اگر ہم اللہ کی ہدایہ نافرمانیاں کرتے رہیں، اس کے احکام ٹھکراتے رہیں اور زبان سے کہیں کہ ہم تیرے شکرگزار ہیں تو اللہ کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وما یخدعون الا انفسہم وما یشعرون

—— پس یوم تشکر یوں مناؤ کہ —— اپنی زندگیوں کو قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالو۔

الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر و للہ عاقبۃ الامور

"اللہ والوں کو اگر روئے زمین پر قبضہ و اقتدار حاصل ہو، تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ منکرات و فواحش سے روکتے ہیں۔"

پس یوم تشکر یوں مناؤ کہ —— اللہ سے عہد کرو کہ ہم آج سے نماز باقاعدہ پڑھیں گے زکوٰۃ باضابطہ ادا کریں گے۔ منکرات و فواحش سے ملک کو پاک کریں گے۔

قوم جاگ اٹھی ہے

فائرنگ بند ہونے پر یہ سوال بدیہی طور پر ہر شخص کے ذہن میں ابھرا کہ —— ہم نے کیا کھویا ہے؟ ہم نے کیا پایا ہے؟

۱۔ بھارت کے اس حملے سے قوم جاگ اٹھی ہے۔ قوم کی رگوں میں زندگی اور حرارت ایمانی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ وہ سیاسی دھڑے جو ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے تھے اور ایک دوسرے کے گریبان پر ہاتھ ڈالتے تھے، اللہ نے انہیں توفیق دی کہ وہ متحد او یک جان ہو جائیں۔ علماء ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے تھے اور قوم کو فروعی اور اختلافی مسائل میں الجھا کر ملت کی وحدت پارہ پارہ کر رہے تھے۔ ہم نے کیا کیا جتن نہ کیے کہ وہ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو سکیں، مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ ہم بھارت کے شکر گزار ہیں کہ اس کے نصیبے سے قوم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ متحد اور یک جان ہو گئی۔

۲۔ قوم میں جہاد کا جذبہ زندہ ہو گیا ہے۔ یہ اپنا مال، اپنی جان، اپنا علم، اپنی زبان، اپنا قلم اپنی توانائی دین و ملت کے لیے وقف کرنے کا جذبہ یک تمام بے بہا ہے۔

۳۔ ہمارے شعر و ادب پر ایک مدت سے افسردگی اور بے دلی چھائی ہوئی تھی۔ ہمارا ادب واضح اور متعین مقصد سامنے نہ ہونے کی وجہ سے ژولیدگی اور آوارگی کے مرض میں مبتلا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہمارا ادب بانجھ ہو گیا ہے۔ بھارت کے حملے نے ہمارے شاعروں اور ادیبوں کے تخلیقی عمل پر مہمیز لگائی ہے۔

شاعر کی نواؤں سے خون ٹپک رہا ہے۔

ادیب کا قلم فروزاں، خیال حرارت پا رہا ہے۔

مقرر کی زبان آگ برسا رہی ہے۔

واعظ کا بیان تعمیر کے سانچوں میں ڈھل رہا ہے

آپ یقین کیجیے کہ وہ ارتقائی منازل جو قومیں سالہا سال کی مسلسل تگ و دو سے طے کرتی ہیں — ہم نے چند دنوں میں ان ارتقائی منازل کو طے کر لیا ہے ۔

طے می شود این رہ بہ درخشیدن برقے
ما بے خبراں منتظر شمع و چراغیم

۴ ۔ ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ ہمارے ریڈیو اسٹیشن نے بھی ملی کردار کی تشکیل میں ایک اہم پارٹ ادا کیا ہے ۔ وہ قوم کو لوریاں دے دے کر سلا دینے والی عاشقانہ غزلوں اور فلمی گیتوں کی جگہ رزمیہ نظمیں اور ملی ترانے نشر کر رہا ہے ۔ وہ طاؤس و رباب کی جگہ تیر و سناں کا ذکر کرتا ہے ۔ ہم پاکستان ریڈیو سٹیشن کے ارباب حل و عقد کو تہنیت پیش کرتے ہیں کہ ان کے پروگراموں میں یہ صحت مندانہ تبدیلی ہوئی ہے ۔ خدا اس روش پر انہیں قائم رکھے ۔

پیارے بھائیو! آیئے ہم یوم تشکر یوں منائیں کہ اللہ سے عہد کریں کہ:

ہم ملک کی وحدت اور سالمیت کو برقرار رکھیں گے ۔

ہم اس جذبۂ جہاد کو زندہ و تابندہ رکھیں گے ۔

ہم خیر و صلاح کی دعوت پھیلائیں گے

منکرات و فواحش کو ملیامیٹ کر دیں گے ۔

جنگ کی غرض و غایت

اسلام جنگ کی ایک واضح اور متعین غرض و غایت پیش نظر رکھتا ہے ۔

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ

دشمنوں سے جنگ کرو حتی کہ فتنہ باقی نہ رہے اور حق کا حکم نافذ ہو ۔

پس اگر محاذ جنگ بند ہو گیا ہے اور فتنہ مسلط رہا ہے تو محاذ جنگ کا بند ہونا کچھ بھی سود مند نہیں ۔ اصل بات تو فتنے کا ختم ہونا ہے اور فتنہ قتل و غارت سے شدید تر ہے ۔

مستقل امن کے لیے جنگ ناگزیر ہے

اسلامی نقطہ نظر سے جنگ اور خونریزی بہت بڑی برائی ہے اور انسانی خون کو اسلام

اکبرالکبائر قرار دیتا ہے — لیکن اس جرم سے بھی زیادہ سنگین جرم یہ ہے کہ لوگ اپنی حکومت اور آبادیوں پر قانع نہ رہیں۔ اللہ کی سرزمین پر فتنہ و فساد پھیلائیں۔ دوسروں کی آزادی اور حکومت پر غاصبانہ ہاتھ ڈالیں۔ قرآن نے چند لفظوں میں یہ بات سمیٹ دی ہے۔

الفتنۃ اشد من القتل (فتنہ و فساد قتل سے بھی شدید گناہ ہے۔)

وہ قومیں جو طاقت کے نشہ اور گھمنڈ میں اللہ کی سرزمین پر بغاوت اور سرکشی کرتی ہیں اور دوسری قوموں کا حقِ خود ارادیت پامال کرتی ہیں، جب تک ان قوموں کا سر کچل نہ دیا جائے فتنہ و فساد رُک نہیں سکتا ہے اور دنیا میں عالمگیر صلح و امن قائم نہیں ہو سکتا ہے۔ پس فتنہ و فساد کے عظیم شر کو ختم کرنے کے لیے اور صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے کے لیے اسلام ناگزیر سمجھتا ہے کہ مفسد اور جابر قوتوں کو فنا کر دیا جائے۔ سورہ محمدؐ میں قرآن نے جوازِ جنگ کی علت بتلا دی۔

حتی تضع الحرب اوزارھا (۴۷ : ۴)

لڑتے رہو، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یعنی جنگ بالکل موقوف ہو جائے۔

مستقل امن اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ ظالم اور مفسد حکومت کو یوں مسل دیا جائے اور اس قوت کا زور یوں توڑا جائے کہ اس میں فساد پھیلانے کی سکت باقی نہ رہے۔ اسی حقیقت کو قرآن نے یوں بیان کیا:

حتی اذا اثخنتموھم (۴۷ - ۴)

یہاں تک لڑو کہ دشمن چور چور ہو جائیں۔

تمہارا دشمن عیّار ہے۔ اس کی شاطرانہ چالوں کی گھات میں رہو۔ پل بھر کی غفلت سے بھی پانسہ پلٹ سکتا ہے اور یہ مت سمجھو کہ جنگ ختم ہو گئی ہے۔

شہدائے پاکستان کو خراجِ عقیدت

(قرآن و سُنت کی روشنی میں)

حضرت مولانا پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تقریر
ریڈیو پاکستان لاہور سے دورانِ جنگ نشر کی گئی

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آیئے چند لمحے ان عزیزانِ ملّت کی یاد میں بسر کریں جنھوں نے اپنا وجود اسلام کی عزّت و ناموس کی خاطر اور وابستگانِ محمدؐ کے تحفظ اور بقا کے لیے قربان کیا۔ آیئے ان شہدائے ملّت کو خراجِ عقیدت ادا کریں اور قرآن اور حدیث کی روشنی میں علی وجہ البصیرۃ ادا کریں۔

یہ قانونِ قدرت ہے کہ جس چیز کا بیج ہم بوتے ہیں، اسی کی فصل کاٹتے ہیں۔ ہم نے گندم بوئی، تو زمین نے گندم کے ڈھیر اُگل دیے۔ ہم نے سیب کا بیج بویا تو ٹہنیاں سیبوں سے بھر گئیں قدرت کا یہ قانون جو مادّی دُنیا میں نافذ ہے، اخلاقی اور رُوحانی دُنیا میں بھی بالکل اسی طرح جاری و ساری ہے۔ وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، خدا ان کی خوش حالی کا ضامن ہے۔

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃٍ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃٍ مائۃ حبۃ۔

(جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک ایک دانے سے سات سات بالیں اُگیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں۔)

قدرت کا یہی قانون شہیدوں پر بھی نافذ ہوتا ہے۔ جو لوگ اسلام کی آبرو کی خاطر اپنی

جان دے ڈالتے ہیں اور اللہ کی خاطر مرمٹتے ہیں، سب سے پہلا انعام اللہ نے ان پر یہ کیا، کہ انہیں دائمی زندگی بخشی۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاءٌ و لکن لا یشعرون (۲:۴۰)

جو اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں، انہیں مُردہ مت کہو، وہ تو زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے)

اس آیت میں صرف یہی نہیں کہ شہداء زندہ ہیں، بلکہ یہ کہا کہ جب تم کسی شہید کے بارے میں یہ کہتے ہو کہ مر گیا ہے، تو تمہارا یہ کہنا مجھے ناگوار ہوتا ہے۔

پھر سورۂ آل عمران میں کہا:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون

یعنی صرف یہی نہیں کہ تم زبانوں سے انہیں مُردہ نہ کہو، بلکہ یہ خیال بھی تمہارے ذہن سے نہ گزرے کہ وہ مر گئے ہیں انہیں دائمی اور ابدی زندگی حاصل ہوئی۔ ایک عارف نے اسی آیت کی روشنی میں کہا تھا۔

مردہ ہرگز نشود آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

دوسری نوازش ان پر یہ ہوئی کہ عند ربھم انہیں اللہ کا قرب حاصل ہوا اور وہ جو قرب الٰہی کے لذت شناس ہیں سمجھتے ہیں کہ اس نوازش کے سامنے سب نوازشیں ہیچ ہیں تیسری نوازش ان پر یہ ہوئی کہ انوارِ الٰہی کا انہیں رزق دیا جاتا ہے اور اللہ کی رحمتیں ان پر پیہم برستی ہیں۔ چوتھی نوازش ان پر یہ کی گئی کہ ان کے درجات مسلسل بلند ہوتے رہتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ ما من میت یموت الا ختم عملہ الا من مات مرابطاً فی سبیل اللہ فانہ یجری لہ عملہ الی یوم القیامۃ (رواہ اصحاب السنن)

ہر مرنے والے کا عمل اس کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ ہاں مگر جو شخص اللہ

کی خاطر دشمن کی گھات میں بیٹھے ہُوئے دنیا سے گیا تو اس کا عمل قیامت تک برابر نشوونما پاتا رہتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عمل جہاد بھی حسناتِ جاریہ میں سے ہے اور اس کی علت بالکل واضح ہے۔ عمل جہاد کی بنیاد ہی یہ ہے کہ بعد کے زمانے اور آنے والی نسلوں کی حفاظت وسعادت کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا جائے حتیٰ کہ اپنا وجود بھی قربان کردیا جائے کوئی عمل نہیں جو اس سے زیادہ سچی اور بے لوث انسانی خدمت کے جذبات رکھتا ہو عمل شہادت کے نتائج چونکہ بعد میں مسلسل اور پیہم مرتب ہوتے رہتے ہیں، ناگزیر ہوا کہ اس کا اجر بھی مسلسل اور پیہم ہو۔

شہید کی شان سب سے نرالی ہے۔ بڑے سے بڑے ولی کے بارے میں حکم ہوا کہ اغسلوہ بماءٍ وسدرٍ وکفنوہ فی ثوبین اسے پانی اور بیری کے پتوں سے نہلاؤ اور دو چادروں کا کفن اس پر ڈالو، مگر شہیدانِ حق کے لاشے غسل سے بے نیاز ہُوئے پانی اس قابل نہ رہا کہ ان مقدس زخموں کو دھو سکے۔ وہ اس کی راہ میں کھائے ہوئے زخم —— وہ ان زخموں سے بہتا ہوا خون —— وہ خاک وخون میں لتھڑا ہوا لباس خدا کو اتنا محبوب ہوا کہ حکم ہوا شہید کو اسی ہیئت میں دفن کرد۔ وہ آبِ غسل سے بے نیاز، وہ کفن کی چادروں سے بے نیاز، وہ میری اور تمہاری نمازِ جنازہ سے بے نیاز۔ وہ خونِ عشق کے سُرخ دھبّے خدا کے ہاں اتنے مقبول ہُوئے کہ اسی ہیئت میں دفن ہوا اور روزِ محشر اسی عاشقانہ ہیئت میں اُٹھے گا۔ کھیئتہ یوم کُلِم۔ وہی ہیئت کہ زخموں سے خون بہ رہا ہوگا

چو میرد مُبتلا میرد۔ چو خیزد مبتلا خیزد

مقامِ شہادت کی دلربائیوں کا اندازہ اس سے کیجئے کہ خود سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ والذی نفسی بیدہٖ لوددت انی اقتل فی سبیل اللّٰہ ثم احیا، ثم اقتل ثم احیا، ثم اقتل (میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر

ممکن ہوتا تو میں یہ چاہتا کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ ہوں، پھر قتل کیا جاؤں۔ یعنی اس کی راہ میں جان دینے میں ایسی لذت ہے اور یہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس سے بار بار بہرہ یاب ہونے کو جی چاہتا ہے۔

مقامِ شہادت کی جاذبیت کا یہ عالم کہ وہ صلحا جو اس جہان آب وگل میں ہیں، وہ حضرت عمرؓ کی طرح اس کے حصول کی دعائیں مانگیں۔ اللھم انی اسئلک شھادۃ فی سبیلک۔ اور جو شہادت کا رتبہ پا چکے وہ سب سے بڑی مراد جو اللہ سے مانگتے ہیں یہی ہے کہ ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیج کہ تیری راہ میں فنا ہونے کی لذت پھر ایک بار حاصل کریں۔

پس وہ قوم جس کا ہر فرد ملت کی آبرو کے لیے اپنی جان دینے کو سب سے بڑی سعادت سمجھے وہ کبھی پسپا نہیں ہو سکتی اور اس دشمن سے کبھی ہزیمت نہیں کھا سکتی جو شہادت کی جاوداں زندگی کے تصور ہی سے یکسر عاری ہے۔ اللہ کی ان گنت رحمتیں ہوں ان شہیدانِ ملت پہ جنھوں نے پاکستان کی سرحدوں کو اپنے خون سے سینچا اور مقدس وطن کی سرزمین میں اپنی ہڈیوں اور اپنے لہو کی کھاد ڈالی اور اس سرزمین کو استحکام بخشا۔

> قوم ان کی رہین منت ہے۔ انہوں نے خود فنا ہو کر قوم کی رگوں میں زندگی اور حرارتِ ایمانی کی لہر دوڑا دی۔ یہ انہیں کی بدولت ہے کہ آج قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی ہے۔ یہ اپنا مال، اپنا قلم، اپنی زبان، اپنی توانائی، اپنی جان، دین وملت کے لیے وقف کرنے کا جذبہ انہیں شہیدان وطن نے ہمیں بخشا ہے۔

ہمارے شعر و ادب پر ایک مدت سے افسردگی اور مردنی چھائی ہوئی تھی۔ ہمارا ادب ژولیدگی اور آوارگی کے مرض میں مبتلا تھا۔ اس پر ایسا جمود طاری تھا کہ ہمیں احساس ہونے لگا تھا کہ ہمارا ادب بانجھ ہو گیا ہے۔ اس جمود کی برف کو ان شہیدان ملت نے اپنے گرم لہو سے توڑا۔ ادب کے تخلیقی عمل پہ مہمیز لگائی اور اسے واضح اور متعین مقصدیت بخشی۔ یہ انہی کا صدقہ

ہے کہ آج شاعر کی نواؤں سے خون ٹپک رہا ہے ۔ ادیب کا قلم غزالِ رعنا کی طرح چوکڑیاں بھر رہا ہے ۔ مقرّر کی زبان آگ برسا رہی ہے اور واعظ کا بیان تعمیر کے سانچے میں ڈھل گیا ہے ۔

وہ ارتقائی منزلیں جو قومیں سالہا سال کی مسلسل تگ و دو سے طے کرتی ہیں ۔ یہ لذت شہادت ہی کا ذوق تھا کہ ہم نے محض چند دنوں میں ان ارتقائی منازل کو طے کر لیا ہے ۔

وقت کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ ملی کردار کے وہ خط و خال جو شہیدوں نے اپنے لہو سے بنائے ہیں ۔ انہیں زندہ اور برقرار رکھنے کے لیے ہم اپنی ساری قوت کھپا دیں اور سیرت کی وہ رعنائیاں جو ہمیں حاصل ہو چکی ہیں انہیں مزید تابندگی بخشنے کے لیے ہم اپنی ساری ہمت اور توانائی صرف کر ڈالیں ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ازافادات

مولانا پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

فاران اکیڈمی

قذافی سٹریٹ ◎ ۱۷، اردو بازار، لاہور

۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش لفظ

قارئین کرام کو یاد ہوگا ہم نے عہد کیا تھا کہ حضرت مولانا پروفیسر سید ابو بکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات کا ایک ایک انمول ہدیہ قارئین کریں گے۔ اس عہد کی تکمیل میں اگرچہ بوجوہ دیر ہوئی اور بہت ہوئی۔ کچھ ناگفتنی اسباب کے ساتھ ساتھ بندۂ عاجز کی لگاتار غیر حاضری اس کا سب سے بڑا سبب تھا۔ ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں کہ انہیں اس قدر انتظار میں رکھا۔

اس سے پیشتر "قربت کی راہیں" "ادب پہلا قرینہ ہے" اور "تعلیم و تزکیہ" جیسے نایاب علمی شہ پارے آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں۔ اب اللہ کے فضل و کرم سے ہم "توحید کے تقاضے" کی صورت میں سید صاحب رح کی مجلس ذکر کے کچھ اور بے بہا گوہر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آیت:

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا یحبونھم کحب اللہ والذین اٰمنوا اشد حبا للہ۔ کی تشریح

تفسیر اس انداز سے فرمائی کہ پہلے پڑھنے سننے میں کم ہی آئی ہوگی۔ اس کو بعد میں "توحید کے تقاضے" کا نام بھی سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہی دیا تھا اور ان کی زندگی میں ہی اس کی تصحیح کا کام بھی مکمل ہوگیا تھا۔ یہ تشریح اور تفسیر کسی تعارف کی محتاج نہیں لہٰذا بغیر تبصرہ نذر قارئین ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند کرے اور ہمیں اس مشن کی تکمیل کی توفیق ارزانی فرمائے (آمین)

محترم جناب سید محمد عثمان صاحب غزنوی، مہتمم دارالعلوم تقویۃ الاسلام" مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ ان علمی شہ پاروں کو طباعت کے اعلیٰ ترین معیار کے ساتھ نشر و اشاعت کے مراحل سے گزار کر جلد از جلد آپ کے ہاتھوں میں پہنچانے کے متمنی ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء

مخلص، عبدالحفیظ عفی عنہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور

قرآن مجید میں ہے۔ ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ۔ والذین آمنوا اشد حبا للہ

بعض لوگوں پر اللہ تعالیٰ یہ فردِ جرم عائد کر رہے ہیں کہ یہ لوگ غیروں کو میرا ساجھی ٹھہراتے ہیں، میرا ہمسر، ہم پلہ اور ہم پایہ قرار دیتے ہیں۔ تو اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ میں نے یہ فردِ جرم کیوں عائد کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔ یحبونھم کحب اللہ۔ یہ غیر اللہ سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہیے تھی۔

والذین آمنوا اشد حبا للہ۔ اگر یہ مومن ہوتے تو انہیں شدید ترین محبت اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر وہ ہستی، ہر وہ شے جسے ہم اپنی محبتوں اور چاہتوں کا یوں مرکز و محور ٹھہرائیں جیسے اللہ کی ذات کو ٹھہرانا چاہیے، خواہ وہ ہمارا نفس ہو، ہماری قوم ہو، برادری ہو یا ہمارا وطن ہو، یا مال و دولت ہو، یا جاہ و حشمت ہو، ان میں سے جس کو بھی اپنی محبتوں کا مرکز ٹھہرائیں اور یوں پیار کرنے لگیں جیسے اللہ سے پیار کرنے کا حق ہے، وہی ہمارا بُت ہے اور ہم اس کے پجاری ہیں۔

امام ابن قیّم اپنی "ریاض المشتاقین" میں لکھتے ہیں:۔ "وھی المحبۃ الشرکیۃ" یہی وہ مشرکانہ محبت ہے جو مشرکین عرب کرتے تھے اور جس سے روکا گیا ہے۔

یہ غلط خیال ہے کہ صرف پتھروں کے بتوں کی پوجا سے قرآن نے منع کیا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"تعس عبد الدرھم تعس عبد الدینار۔ درہم و دینار کا بندہ ہلاک ہوا۔

ان اعطی رضی۔ وہ ہر بات کو پیسوں کی TERMS میں سوچتا ہے۔ اگر پیسے مل جائیں۔ تو بہت خوش ہوتا ہے وان لم یعط سخط ـــــ اگر نہ ملیں تو ناراض ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں ـــ ستیاناس ہوا ایسے بندے کا۔ وہ تو عبدالدرہم ہے۔ عبداللہ تو نہیں ہے۔ میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دانستہ طور پر لفظ عبد استعمال فرمایا۔ ورنہ اس بات کو آپ اور طریقوں سے بھی فرما سکتے تھے۔ چونکہ اس کا تعلق توحید سے تھا، اس لیے اسے عبدالدرہم فرمایا، عبدالدینار کہا۔

دوستو! اس دور میں لوگوں کو میں نے دیکھا کہ دولت کے پیچھے پاگلوں کی طرح پھر رہے ہیں اور بندیوں کے چکر میں بوڑھے ہو جاتے ہیں مگر باز نہیں آتے اور اسی چکر میں مر جاتے ہیں۔ میں اپنے ڈاکٹر دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ جب کسی مریض کی زندگی سے مایوس ہو کر اس کے رشتہ داروں کو آپ جواب دے دیتے ہیں اور وہ آدمی سمجھ جاتا ہے کہ آپ نے اس کے گھر والوں سے کیا گفتگو کی ہے، اس وقت اس شخص کے منہ سے کیا الفاظ نکلتے ہیں؟ تو میرے ڈاکٹر دوست کہتے ہیں کہ وہ لوگ جن کے سر پر دولت سوار ہے اس وقت ان کے منہ سے ایسی باتیں نکلتی ہیں: "وہ میں نے فیکٹری بنائی تھی، اس کا کیا ہوگا؟" یہ درہم و دینار کی بندگی کی علامت ہے۔ اسے یہ خیال نہیں کہ آگے اس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ وہ نتائج جو قیامت تک اور قیامت کے بعد ابدالآباد تک اسے بھگتنے پڑیں گے، ان کی کوئی فکر اسے لاحق نہیں ہوتی۔

شیطان نے اسے مخبوط الحواس بنا دیا ہے۔ یتخبطه الشیطان من المس۔ اس وقت بھی یہی سوچ رہا ہے کہ میں نے جو فیکٹری ابھی ابھی لگائی ہے اس کا کیا بنے گا؟

کچھ لوگ ایسے ہیں جو دولت کی ایسی پرستش کرتے ہیں کہ لات و عزیٰ کے پجاریوں کو بھی مات کر دیتے ہیں۔ اس قدر اس کے لیے ذلتیں برداشت کرتے ہیں، دنیا کے ہر ایرے غیرے اور ٹکے ٹکے کے آدمیوں کی کاسہ لیسیاں کرتے ہیں، حاشیہ برداریاں کرتے ہیں، ان کی مصیبتیں اٹھاتے

ہیں۔ یہ ساری تذلیل ان چند سکوں کی خاطر برداشت کرتے ہیں جو کبھی ملتے ہیں اور کبھی نہیں ملتے۔

ہم یہاں یونیورسٹی میں دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ وائس چانسلر کی حاشیہ برداری اور کاسہ لیسی کر کر کے تھک جاتے ہیں، ذلیل ہوتے ہیں کئی دفعہ دیکھا ہے کہ وائس چانسلر ہی مر جاتا ہے یا بدل جاتا ہے اور اس آدمی کو روسیاہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

دوستو! بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ جاہ اور چودھراہٹ کے بُت کی پُوجا کرتے ہیں۔ ان کو اللہ سے اتنی محبت نہیں ہوتی جتنی جاہ اور چودھراہٹ سے ہوتی ہے حتیٰ کہ علماء میں یہ بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ تقریر اس لیے کرتے ہیں کہ اس علاقے میں میرا اثر ہو کہتے ہیں :۔ بڑا متاثر کیا ہے میں نے اس علاقے کو بعض علماء سے جب پوچھتا ہوں کہ تمہارا دورہ کیسا رہا؟ کہتے ہیں مجھ سے علاقہ بڑا متاثر ہوا ہے۔ تمام علماء جن کے دل میں حبِ جاہ سرایت کر چکی ہے، اس بولی میں بات کرتے ہیں۔

اہل اللہ تو یہ کہتے ہیں:۔ اللہ کا وہاں بڑا کرم ہوا ہے، لوگ دین کی طرف مائل ہونے لگے ہیں۔ یہ حُبِّ جاہ کی بیماری ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑا بُت ہے دوستو!

حضورؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

"ماذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسد لھا من حرص المرء علی المال والشرف فیہ" ۔ اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ بھی ایسی تباہی اور بربادی نہیں مچاتے جس قدر مال کی محبت اور جاہ کی محبت ایک انسان کے دین کو تباہ کرتی ہے۔ یعنی آدمی کی ساری سوچ ہی یہ ہو کہ پیسے زیادہ کہاں سے ملیں گے، زندگی کا کوئی مقصد ہی نہ ہو، کوئی اپنی اقدار نہ ہوں جن کی خاطر جی سکے، کوئی اخلاقی اور روحانی مشن پیشِ نظر نہ ہو۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ جو لوگ مشن کی خاطر جیتے ہیں، ان کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں، خدا کی قسم دولت ان کے دروازوں پر دھکے کھاتی ہے۔ وہ کبھی اسے قبول کرتے ہیں اور کبھی اسے ٹھکرا

دیتے ہیں۔ یہ بات حدیث کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

اتتہ الدنیا وھی راغمۃ ایسے لوگوں کے پاس دنیا ناک رگڑتی ہوئی آتی ہے ۔۔

وھی راغمۃ۔ خاک خاک میں رگڑتی ہوئی ان کے پاس آتی ہے۔

زندگی شن کے لیے بسر کرو دوستو! زندگی اللہ کے لیے بسر کرو۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مال اور جاہ ۔۔۔ یہ بھی دو بت ہیں۔ یہ مت خیال کیجئے کہ بت صرف سنگ اور مٹی کے ہوتے ہیں۔ بت نظریات کے بھی ہوتے ہیں بت تصورات کے بھی ہوتے ہیں۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا ۔ من تشغلک عن اللہ فھو صنمک ۔ جو تمہیں اللہ سے غافل کرتا ہے وہی تمہارا بت ہے ۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

بعض لوگ تقریر تو اچھی نیت سے کرتے ہیں مگر جب ختم کرتے ہیں تو شیطان اُس وقت آجاتا ہے ۔۔۔ جس وقت بھی جاہ و حشمت کی آرزو ہوئی انسان پھسل گیا۔ کتنے لوگ ہیں جن کے اعمال ناموں میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور بعد میں کٹ جاتی ہیں میں نے عرفات کے میدان میں ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دعا مانگ رہا تھا یا اللہ میرے حج کو قیامت تک باقی رکھ میں اس کی دعا سے وجد میں آیا اس لیے کہ بعض عمل ایسے ہیں کہ نامۂ اعمال میں لکھے جاتے ہیں اور بعد میں ڈینگیں مارنے کی وجہ سے یا غیبت کی وجہ سے کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ جب اپنے قلم سے آدمی حضرت الحاج لکھنا شروع کرتا ہے تو اس کا حج برباد ہونا شروع ہوتا ہے۔ ہر عمل کے شروع میں دیکھنا چاہیے، آخر میں دیکھنا چاہیے بلکہ ساری عمر گھات میں رہنا چاہیے کہ یہ عمل میں نے اللہ ہی کے لیے کیا ہے اس میں کوئی کھوٹ تو نہیں ہے۔ والذین امنوا اشد حبا للہ ۔ معنی یہ ہیں کہ جو لوگ صحیح معنوں میں مومن ہیں انہیں شدید ترین محبت

اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ محبت ایک غیر مرئی چیز ہے ABSTRACT چیز ہے۔ نظر نہیں آتی اس کے جانچنے کی ایک ہی کسوٹی ہے کہ جب دو محبتوں میں تصادم ہوتا ہے ٹکراؤ ہوتا ہے تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ آدمی اللہ کو چاہتا ہے یا غیر کو۔ اسی لیے قرآن نے کہا۔ قل ان کان اٰباؤکم و ابناءکم ..... الخ

ان تمام محبتوں کا ذکر کیا جن سے اللہ کی محبت کا ٹکراؤ ہو سکتا ہے، کبھی باپ دادا کی رسموں سے ٹکراؤ ہو سکتا ہے۔ کبھی برادری کی رسموں سے ٹکراؤ ہو سکتا ہے۔ مثلاً برادری لڑکی کو ورثہ نہیں دیتی اور ادھر قرآن کہتا ہے۔ "وللذکر مثل حظ الانثیین" کہ لڑکی کا حصہ پورا اس کو دے دو۔ قرآن نے ٹھوس کسوٹیاں بنائیں۔ کوئی نظریاتی یا تخیلاتی باتیں نہیں ہیں۔

بیویوں کی محبت سے ٹکراؤ ہو سکتا ہے کہ بیوی کی خاطر ناجائز دولت تو نہیں کما رہا۔ بیوی کے ناجائز تقاضوں کو پورا کرنے کی خاطر ناجائز دولت تو نہیں کما رہا۔ جب محبتوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ آدمی اللہ کی خاطر غیر اللہ کو چھوڑتا ہے یا نہیں۔ یہی اللہ کی محبت کے شدید ہونے کی کسوٹی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حقوق بھی ادا کرتے تھے۔ دنیا میں انقلاب برپا کر رہے تھے۔ شدید مصروفیت کے باوجود ہمیں بھی وقت دیتے تھے مگر جب اذان ہوتی تھی تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے حضرت ہمیں جانتے ہی نہیں ہیں۔ کانہ لا یعرفنا۔

یہ بڑی واضح کسوٹی ہے جس سے کوئی دھوکہ نہیں لگ سکتا کہ محبتوں کے ٹکراؤ میں دیکھئے کہ اللہ کے لیے فرعون، نمرود، دوں اور شدادوں کو چھوڑ سکتا ہے وزیر وزراء اور ریاست کے سربراہ کو چھوڑ سکتا ہے یا نہیں چھوڑ سکتا ہے، یہ بڑی سخت کسوٹی ہے دوستو!

ہو حق کا نعرہ لگانا آسان ہے مگر جو کسوٹیاں خدا نے بنائی ہیں وہ بڑی انقلاب آفریں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کی محبت سے سرشار ہوں اور اس کی محبت تمام محبتوں پر غالب آجائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً

یحبونھم کحب اللہ۔ والذین اٰمنوا اشد حبا للہ

اس آیت کی تشریح میں پچھلی جمعرات کو کر رہا تھا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ جس کسی سے ہم یوں محبت کرنے لگیں، جس کسی کو ہم اپنی محبتوں اور چاہتوں کا محور ٹھہرا لیں اور ایسی محبت کرنے لگیں جیسے اللہ سے محبت کرنے کا حق ہے وہی ہمارا بُت ہے اور ہم اُس کے پجاری ہیں۔ وہ ہمارا نفس ہو یا برادری ہو یا مال و دولت کی محبت ہو یا جاہ و حشمت کی چاہت ہو جس کسی کو ہم یوں چاہیں جیسے اللہ کو چاہنے کا حق ہے وہی ہمارا بُت ہے اور ہم اس کی پوجا کر رہے ہیں۔

اس آیت پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ "من دون اللہ" استعمال کیا۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ سے ہٹ کر اس کے سوا اوروں کو ساجھی اور شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ اس کا ہم پایہ اور ہم پلہ قرار دے لیتے ہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ شرک کی تردید فرماتے ہیں وہاں بجائے اس کے کہ ترں کا لفظ استعمال کریں لفظ من دون اللہ استعمال کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے ہٹ کر اس کے سوا ــــــ یہ ایسا بلیغ لفظ استعمال فرماتے ہیں کہ ان میں تمام بت آجاتے

ہیں۔ وہ پتھر کے ہوں، نظریات کے ہوں، علاقائی اور لسانی ہوں یا رنگ اور نسل کے بُت ہوں۔ قرآن مجید پر غور کرنے کی بات ہے کہ صرف یہیں نہیں اکثر جگہوں پر لفظ "من دون اللہ" استعمال فرمایا:۔

ان الذین تدعون اللہ من دون اللہ عباد امثالکم ــــ اللہ سے ہٹ کر اس کے سوا جس کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری طرح بندگان الٰہی ہیں۔ یہاں بھی لفظ "من دون اللہ" استعمال فرمایا ــــ والذین تدعون من دون اللہ لایخلقون شیئاً وھم یُخلقون ــــ اللہ سے ہٹ کر اس کے سوا جس کو بھی تم پکارتے ہو بھلا دیکھو تو سہی یہ خود کسی چیز کے خالق ہیں؟ یہ تو خود مخلوق ہیں۔ تم نے ان کو معبود ٹھہرا دیا ہے۔ جو خود مخلوق ہیں ان کے سامنے ماتھا ٹیکتے ہو ــــ تو "من دون اللہ" میں زندہ مردہ۔ پتھر اور ہر چیز آ گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو للکارا کہا تم کس کام میں لگے ہو ــــ ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون ــــ تم خود مورتیاں تراشتے ہو پھر ان کے سامنے ماتھا ٹیکتے ہو۔ کیا تمہاری انسانیت کی اس سے توہین نہیں ہوتی! اس وقت بھی آپ نے فرمایا "اُفٍ لکم ولما تعبدون من دون اللہ" اللہ کے علاوہ جس جس کی تم پوجا کرتے ہو حیف ہے تم پر اور ان پر ــــ یہاں بھی لفظ "من دون اللہ" استعمال فرمایا۔

یہ جو آیت میں پڑھ رہا ہوں اس میں بھی یہی فرمایا "ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً۔ آپ دیکھیں جو آدمی اپنے نفس کی پوجا کرتا ہے قرآن نے اسے بھی کہا:۔

ارئیت من اتخذ الٰھہ ھواہ ــــ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی ہوا و ہوس کو خدا بنایا ہوا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ کبھی انسان اپنے نفس کو بھی خدا بنا

لیتا ہے۔ افانت تکون علیہ وکیلاً ــــ آپ ایسے شخص کے ذمہ دار بنتے ہیں؟

اس ساری بات سے میں بتانا یہ چاہتا تھا کہ قرآن نے "من دون اللہ" کے لفظ استعمال کیے جن سے ہر بُت کی نفی ہو گئی وہ پتھر کا ہو، نظریات کا ہو، خیالات کا ہو یا انسانوں کا بُت ہو۔ اور کہا کسی کو بھی میری محبت میں شریک نہ ٹھہراؤ۔ یہ بات سمجھنے کی ہے دوستو! آپ دیکھئے خاوند بیوی کی تمام لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے مگر اپنی محبت میں غیر کو شریک نہیں دیکھ سکتا۔ یہ اتنا بڑا جرم قرار پایا۔ حالانکہ خاوند کوئی ایسا مُربّی نہیں ہے جیسا مُربّی حقیقی خُدا ہے۔ جیسے وہ ربّ العالمین ربوبیّت فرما رہے ہیں خاوند لم یزلی اور ابدی طور پر ربوبیّت نہیں کر رہا مگر اس کے باوجود اس کی غیرت کا یہ حال ہے اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ میری محبت میں کسی غیر کو شریک ٹھہراتی ہے تو اس کی سب خدمتیں اکارت گئیں محض اس بنا پر کہ خاوند کی محبت میں غیر کو شریک کرتی ہے۔ یہی شرک کی حقیقت ہے۔ دوستو! وہ کہتا ہے میں تمہیں عدم سے وجود میں لایا ہوں۔ میں تمہیں پالتا ہوں۔ میں تمہاری ربوبیت کر رہا ہوں۔ اور جب سب کچھ میں دے رہا ہوں تو غیر سے ایسی محبت کیوں کر کر سکتے ہو جیسی مجھ سے ہونی چاہیے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ میں سب کچھ معاف کر دوں گا۔ مگر شرک معاف نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ الا لہ الخلق والامر ــــ ساری کائنات کو میں نے تخلیق کیا ہے اور کائنات میں حکومت بھی میری ہی چلے گی۔ ریاست میں ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے فرائض میں کوتاہیاں ہوتی ہیں جواب طلبی کے بعد بات ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر یہ پتہ چل جائے کہ اس آدمی کے پاس وائرلیس ہے دشمنوں کا حلیف ہے ان کے ساتھ ساز باز کرتا ہے انہیں خبریں پہنچاتا ہے اس کو معاف نہیں کیا جاتا کہ ریاست سے بے وفائی کر رہا ہے یہی شرک کی حقیقت ہے۔ دوستو!

وہ کہتا ہے میں تمہارا رب ہوں اور میرے ساتھ تعلقات رکھتے ہوئے تیسروں سے ساز باز کرتے ہو۔ کوئی حکومت اپنے ملک و ملت کے غدار کو معاف نہیں کرتی یہی معاملہ ہے شرک کا بھی۔ فرمایا:۔

والذین امنوا اشد حبا للہ۔ جو صحیح معنوں میں مومن ہیں انہیں بڑی سخت محبت ہوتی ہے اللہ کی ذات سے۔ لا ایمان لمن لا محبۃ لہ اس شخص کا کوئی ایمان نہیں ہے جس شخص کو محبت نہیں ہے۔ اس کو علامہ اقبال فرماتے تھے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات

فرماتے ہیں پورا مذہب کیا ہے۔ تصورات کا بتکدہ ہے عقل کا اگر کوئی مرشد ہے تو عشق ہے۔ دل کا اگر کوئی رہنما ہے تو عشق ہے اور عقل کو اگر کوئی پاک کرتا ہے تو عشق ہے۔ ع

عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

فرماتے ہیں کہ اگر عشق کا جذبہ ختم ہو جائے تو سارا دین ساری شریعت تصورات کا بتکدہ بن جاتا ہے۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے تھے

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

فرماتے ہیں اے ہمارے عشق کی دیوانگی! زندہ باد پائندہ باد ہماری سب بیماریوں کی تو دوا ہے اے عشق تو ہمارا طبیب ہے۔

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

توہمارے جھوٹے وقار FALSE PRESTIGE کی دوا ہے اور یہ
اس وقت تک نہیں جاتا جب تک عشق انسان کے اندر نہیں اترتا۔ ع

اے دوائے نخوت وناموس ما

توہمارے تکبر کی بھی دوا ہے تو ہمارے جھوٹے وقار کی بھی دوا ہے۔ ع

اے تو افلاطون وجالینوس ما

اگر ہمیں ذہنی پختگی حاصل ہوتی ہے تو اے عشق یہ تیری وجہ سے حاصل ہوتی ہے ۔۔۔۔ جالینوس ما ۔۔۔ اے عشق ہماری صحت اور توانائی تیرے دم سے ہے، اگر اللہ کے عاشق بڑھاپے میں بھی جذب و مستی کی حالت میں ہیں تو اے عشق یہ تیرا ہی فیضان ہے۔ عشق کو حاصل کرنے کا طریق میں نے عرض کیا تھا۔ ایک تو چند منٹ اللہ کے ذکر میں روز لگانا ہے۔ ذکر کے علاوہ فکر ہے۔ اس بات کا مراقبہ کرنا کہ ایسا حسن تو کسی میں نہیں ہے اور ساری کائنات اسی کے حسن کا پرتو ہے۔ یہ تصور کرنا کہ جیسا کمال اس میں ہے اور کسی میں نہیں ہے۔ یہ تصور کرنا کہ جو بخشش اور کرم وہ مجھ پر کر رہا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کے کمال اس کے جمال اور اس کے نوال کا مراقبہ کرنا۔ اسے فکر کہتے ہیں دوستو! اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور جن کو اللہ نے اپنا درد دیا ہے ان کی صحبت میں بیٹھنا اور اس کی محبت کی دعا مانگنا ۔۔۔ یہ چار باتیں ہیں دوستو! جو یاد رکھنی چاہئیں ۔۔۔ ذکر و فکر و صحبت اور دعا۔ اللہ سے دعا کرنا ۔۔۔ اللھم انی اسئلک حبک۔ اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کی بھیک مانگتا ہوں ۔۔۔ وحب من یحبک۔ اور جن جن کو تو نے اپنا درد دے رکھا ہے ان کی محبت عطا کر کہ ان کے پاس جایا تو کروں۔

دوستو! محبت کے راستے میں بعض باتیں ایسی ہیں جن سے محبت کمزور پڑتی ہے۔ اللہ سے سوئے ظن پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ سے دعا مانگتے ہیں

دعا قبول نہیں ہوتی ۔ ناقص العقل ہونے کی وجہ سے آدمی کہنے لگ جاتا ہے کہ عجیب محبت ہے تیری کہ میری بات ہی نہیں سُن رہا۔ یہ بات بھی تشریح طلب ہے کہ محبت کن باتوں سے کم ہونے لگتی ہے اور کیا تدبیر کی جائے کہ وہ کم نہ ہو۔ دوستو! کبھی ایسا ہوتا ہے انسان دُعا مانگتا ہے قبول نہیں ہوتی۔ وہ کہنے لگ جاتا ہے کیوں قبول نہیں ہوتی بعض تو زبان سے شکوے شکائتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ بعض کی زبان تو چپ ہوتی ہے مگر دل بدگمان ہوجاتا ہے۔ اس کی جہالت ہے جیسے کوئی بچہ ہو اور وہ دھکتے ہوئے انگاروں کی طرف بار بار لپکے اور ماں کی ماتا بیچ میں حائل ہو وہی ماتا جو اس کی ہر نامعقول بات مانتی ہے اور باپ کے علی الرغم مانتی ہے وہ بیچ میں حائل ہوجاتی ہے اور انگاروں تک نہیں پہنچنے دیتی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان دھکتے ہوئے انگاروں کو موتی سمجھتا ہے اور مانگتا چلا جاتا ہے۔ اس وقت اللہ کی شفقت بیچ میں حائل ہوتی ہے۔ انسان اندھا ہوتا ہے جیسے بچہ ماں کو ظالم سمجھتا ہے کہ انگارے اتنے خوبصورت ہیں وہ مجھے کیوں پکڑنے نہیں دیتی۔

دوستو! دُعا کی عدم قبولیت کی حقیقت یہی ہے۔ اور میں نے کئی دفعہ اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس وقت آدمی سوچتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑا کرم کیا مجھے اس مصیبت سے نجات دی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے دوستو! ایک درویش آدمی دُعا مانگتا ہے۔ کئی برس گزر جاتے ہیں دُعا قبول نہیں ہوتی اور حقیقت میں اس دُعا کا قبول نہ ہونا اللہ کی اس آدمی پر اتنی بڑی رحمت ہوتی ہے کہ وہ تمام ولایت کے درجات ان سالوں میں ہی طے کرتا ہے اور صرف دُعا کے قبول نہ ہونے کی وجہ سے طے کر جاتا ہے جم کر دُعا روز مانگتا ہے۔ عبدیت اور بندگی کی مہریں اس کے وجود پر ثبت ہوتی چلی جاتی ہیں اور اللہ فرشتوں سے کہتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو کہ دُعا قبول نہیں ہے مگر پھر بھی وہی حسن ہے وہی عاجزی ہے وہی نیاز ہے۔ پھر وہ مجھ ہی سے مانگتا ہے۔

اور اس کو یقین ہے کہ میں اسے دوں گا۔ کتنے انبیاء ہیں کہ سالہا سال ان کی دُعا قبول نہ ہوئی۔ وہ قُرب کی منزلیں محض دُعا کی قبولیت روک کر تیزی سے طے کرواتا چلا جاتا ہے۔ جب آدمی کی آنکھ کھلتی ہے تو کہتا ہے تو نے بڑا کرم کیا۔ اگر چند سال پہلے قبول ہو جاتی تو آج وہیں بیٹھا ہوتا۔ یہ منزلیں طے نہ کر سکتا ـــــ دوستو! یہ سوئے ظن ناپختگی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو کوئی بیماری ہوتی ہے وہ دُعا مانگتا ہے کہ یا اللہ یہ بیماری دُور ہو جائے وہ دور نہیں ہوتی۔ پھر سُوئے ظن پیدا ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ آدمی مفلس ہوتا ہے۔ دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ میری مفلسی دور کر دے۔ دولت دے۔ دولت نہیں ملتی۔ پھر سوئے ظن پیدا ہوتا ہے۔

شرح السنہ میں علامہ بغوی ؒ نے حدیث قدسی لکھی ہے۔ اللہ ﷻ فرماتے ہیں :۔

ان من عبادی من لا یصلحہ الا الفقر ولو اغنیتہٗ لافسدہٗ ذالك ـــــ میرے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کو افلاس ہی راس آتا ہے اور افلاس ہی سیدھا رکھتا ہے (جب تک فقر کی حالت میں رہے اسے میری طرف رجوع رہتا ہے۔ اس کی طبیعت ہی ایسی ہے) اگر میں اسے تونگر کر دیتا یہ اپنے مقام سے گر جاتا ـــــ **وان من عبادی من لا یصلحہ الا الغنٰی**۔ میرے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر میں نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہوں تو وہ میری طرف رجوع رکھتے ہیں۔ **ولوا فقرتہ لافسدہٗ ذالك**۔ اگر میں انہیں قلاش کر دوں تو وہ ملحد ہو جائیں اور زندیق ہو جائیں۔ مجھے گالیاں دینے لگیں ـــــ **وان من عبادی لا یصلحہ الا السقم ولو اصححتہ لافسدہٗ ذالك**۔ میرے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں بیماری ہی ٹھیک رکھتی ہے۔ اور میری طرف رجوع رکھتے ہیں۔ اگر میں انہیں تندرست کر دوں تو وہ

میری طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیں، امام ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ کی گیارہویں جلد میں اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور اس سے استشہاد کیا ہے۔

آپ نے غور کیا کہ سوئے ظن کی وجہ عقل کی ناپختگی ہے۔ یہی وجہ ہے آپ دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کی تربیت حضور علیہ السلام نے فقر کے راستے سے کی۔ بعض لوگوں کی تربیت نعمتوں اور نوازشوں کے راستے سے کی۔ یہی حال پیغمبروں کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کی تربیت صبر کے راستے سے کی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی تربیت صبر کے راستے سے کی۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ پر نعمتوں کی بوچھاڑ کی۔

آپ دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مختلف انسانوں کی تربیت کس طرح مختلف طریقوں سے کی۔ حضرت بلالؓ کھجوریں کھا رہے ہیں اور کچھ لپیٹ کر رکھ رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا بلالؓ۔ کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا حضرتؐ کچھ کھجوریں رکھ دی ہیں پھر کام آجائیں گی فرمایا۔ اَنْفِقْ یا بلالؓ ـــــ فقیر ہو کر کھجوریں رکھ رہے ہو ـــــ ولا تخش من ذی العرش اقلالا ـــــ اس عرش والے سے تمہیں مفلسی کا ڈر ہوا ہے؟ جاؤ انہیں خرچ کر دو یہ فقیری کے منافی ہے کہ انہیں لپیٹ کے رکھ دو۔ یہ بات عثمان غنیؓ سے کبھی نہ کہی۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کبھی نہ کہی۔ ان کا راستہ دوسرا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث سے وضاحت ہوئی جو میں نے ابھی پڑھی۔ یہی شیخ کا کام ہے دوستو! وہ سمجھتا ہے کہ اس آدمی کو کس راستے سے لے جانا ہے۔ سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکتا ہے۔ کسی کو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی راہ سے لے جاتا ہے کسی کو بلال حبشیؓ کے راستے سے لے جاتا ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظن ایسے ہی ہے جیسے بچہ نادانی کی بنا پر اپنی ماں کی مامتا پر شک کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اگر ہزاروں ماؤں کی مامتاؤں کو اکٹھا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی شفقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر سوءِ ظن نہ ہو تو

محبت تیز تر ہوتی رہتی ہے اور محبت کے ساتھ ہی دوستو! یہ گاڑی چلتی ہے اور دین کا سارا کاروبار محبت ہی سے چلتا ہے۔ یہ فنی تخلیق کا ظہور بھی عشق ہی سے ہو رہا ہے۔ کبھی عشق حسان بن ثابتؓ و بوصیریؒ اور کعب بن زبیرؓ کے شعروں میں ڈھلا۔ اور وہ بھی عشق ہی ہے جو خواجہ معین الدین چشتیؒ حضرت امیر الدین خسروؒ کے شعروں میں ڈھلا۔ اور یہ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ کا لٹریچر۔ یہ ضخیم جلدیں۔ جو ان ضخیم جلدوں کی تحریر کا محرک ہوا۔

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق صبر حسینؓ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

کبھی عشق پھانسیوں پر لٹکتا ہے اور جو رقص حسین ابن علیؓ نے میدانِ کربلا میں کیا وہ بھی عشق ہی کا ایک ظہور تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اپنا عشق عطا فرمائیں۔ اپنا درد عطا فرمائیں اور اس درد کو عمل کا خوگر بنائیں۔ اتباعِ رسولؐ کا محرک بنائیں کہ اصل مقصد تو محبت کا یہ ہے کہ عمل ہو اتباعِ رسولؐ ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ یا ربّ صلّ وسلّم دائمًا ابدًا علی حبیبک خیر الخلق کلّھم

میں نے پچھلی دو جمعراتوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے متعلق بعض مسائل کا ذکر کیا تھا اور والذین آمنوا اشد حبًّا للہ کی تفسیر عرض کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی محبت مومنوں کے جی میں تمام محبتوں پر غالب ہوتی ہے۔ قرآن مجید

نے کہا۔ قل ان کان اباءکم و ابناؤکم۔

آپ ان سے کہہ دیجئے۔ تمہارے آبا و اجداد، تمہارے بھائی بندے، تمہاری بیویاں یہ مال جو تم نے کما رکھا ہے، یہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں کھٹکا لگا رہتا ہے، یہ عمارتیں، یہ بود و باش کی جگہیں جو تمہیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اگر اللہ اور اُس کے رسولؐ سے تمہیں زیادہ پیاری ہیں تو —— فتربصوا حتی یأتی اللہ بامرہ —— تم انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو نافذ کرے۔ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین۔ فرمایا وہ لوگ سرکش ہیں، نافرمان ہیں اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

وہ تمام کمزوریاں انسان کی جو توحید کے بارے میں ہو سکتی ہیں انہیں بیان فرمایا۔ کہ دیکھو کبھی اللہ کی محبت کی ٹکر باپ دادا کی محبت سے ہو سکتی ہے کبھی برادری کی محبت سے ہوتی ہے۔ برادری کی ریتوں سے ٹکر ہوتی ہے کبھی بیویوں کی خواہشات سے اللہ کی محبت کا تصادم ہوتا ہے۔ کبھی تجارت کے فروغ کے تقاضے کچھ ہوتے ہیں اور کتاب اللہ کا حکم کچھ ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح کبھی ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور آدمی عمارتوں کی طرف دیکھتا ہے کہ اللہ کے لیے ان کو کیسے چھوڑ دوں۔ یہاں دونوں باتوں کا ذکر فرمایا:۔ احب الیکم من اللہ ورسولہ —— معلوم یہ ہوا کہ اللہ کی محبت کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا تصادم ہو جائے ٹکراؤ ہو جائے تو دنیا کی تمام چیزوں کو انسان حضورؐ کی محبت کی خاطر چھوڑ سکے۔

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت بھی جزو ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے حضورؐ تک پہنچتے ہیں کچھ طالب، سالک اور عارف ایسے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تک پہنچتے ہیں۔ یہ مزاج کا اختلاف ہے اس میں جھگڑے کی کوئی بات نہیں۔ جیسے رابعہ بصریؒ تھیں۔ وہ اللہ سے حضورؐ تک پہنچی تھیں۔ یعنی اللہ کی معرفت پہلے حاصل ہوئی اور پھر اللہ کی معرفت سے حضور علیہ السلام کی

معرفت ہوئی اور ان سے محبت اس بنا پر ہوئی کہ وہ خدا کے محبوب ہیں وہ خدا کے رسول ہیں جیسا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ لو کنت متخذاً خلیلاً لاتخذت ابابکر خلیلاً ولکنہ اخی وصاحبی قد اتخذ اللہ صاحبکم خلیلاً ــــ اگر تم لوگوں میں سے کسی کو محبوب بنانا ہوتا تو میں ابوبکرؓ کو محبوب بناتا۔ مگر وہ میرا بھائی ہے، میرا ساتھی ہے، میں یہ کیسے کہوں کہ وہ میرا محبوب ہے۔ قد اتخذ اللہ صاحبکم خلیلاً۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس ساتھی کو اپنا محبوب بنا لیا ہے جب اس نے مجھے اپنی محبوبیت کے لیے چن لیا ہے تو میرے لیے یہ کہاں روا ہے کہ میں کسی اور کو اپنا محبوب کہوں۔

اس سلسلے میں تصوف کا مسئلہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ABSTRACT سے CONCRETE تک پہنچتے ہیں یعنی حقیقت کبریٰ سے حقیقت محمدیہ تک پہنچتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے خدا تک پہنچتے ہیں جیسے کہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے خدا تک پہنچے حضرت علامہ اقبالؒ کا بھی یہی حال تھا۔ انھوں نے تو واضح طور پر فرما دیا۔

یا رسول اللہ او پنہاں تو پیدائے من

اے رسول اللہ۔ خدا تو پنہاں ہے، اس کی ذات تو چھپی ہوئی ہے۔ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار۔ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں مگر وہی ہے جو آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ لا تضربوا للہ الامثال ــــ فرمایا اللہ کے لیے مثال بھی مت دو کہ وہ ایسا ہے وہ اس جیسا ہے، اس جیسا تو کوئی بھی نہیں ہے۔

فرماتے ہیں۔ او پنہاں و تو پیدائے من ــــ اس کی ذات تو چھپی ہوئی ہے۔ آپ کی ذات ظاہر و باہر ہے کہ مجھے نظر آ رہی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے ذریعے سے اللہ تک پہنچنے کا راستہ آسان بہت ہے۔ اس لیے کہ ان کی صفات ظاہر ہیں

ان کا وجود ظاہر ہے ان کا جسم ظاہر ہے، ان کا مکھڑا ظاہر ہے۔ ان کا ناک نقشہ ظاہر ہے، ان کے تمام اوصاف ظاہر ہیں ان کے غزوات، ان کے تمام افعال ظاہر ہیں جن کا لاکھوں انسانوں نے مشاہدہ کیا۔

سلوک کا راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، ان کے عشق اور ان سے والہانہ شیفتگی ہی سے آسانی سے طے ہوتا ہے، خود اللہ تعالیٰ کی محبت بھی اسی راستے سے سہولت سے ملتی ہے۔ حضورؐ کا عشق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سیکھنا چاہئیے۔ وہ صدیق اکبرؓ تھے۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں۔ نبوّت کے بعد صدیقیت سے اونچا کوئی مقام نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم تھے۔ صدیق اکبرؓ غیر معصوم ہوتے ہوئے کسی حد تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ذات، صفات اور افعال میں فنا ہو سکتا ہے۔ یہ بات صدیق اکبرؓ کی سیرت ہی سے اخذ کرنی چاہیئے۔ اس لیے ان کی شخصیّت کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے۔ رسولِ اکرمؐ تو سید الاولین و سید الآخرین تھے۔ وہ تو سرورِ دنیا و دین تھے وہ تو کبھی یہ بھی فرماتے تھے :- ایکم مثلی ——؟ تم میں سے کون ہے جو مجھ ایسا ہے۔ تم سے یہ بات نہ ہو سکے گی چھوڑ دو اس بات کو یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ یہ غیر معصوم انسانوں کی آخری حد ہے جہاں تک حضرت صدیق اکبرؓ پہنچ گئے۔ اس لیے میں طالبوں سے کہا کرتا ہوں کہ ان کی سیرت کا مطالعہ غور سے کیا کرو۔ ہماری سرحدیں تو صدیق اکبرؓ تک ہیں آگے تو وہ مقام ہے جہاں بار بار فرماتے ہیں۔ ایکم مثلی ——؟ تم میں سے کون ہے جو مجھ ایسا ہے۔ صدیق اکبرؓ کو دیکھئے انہوں نے جو کچھ پایا سب آنحضرتؐ کی ذات میں فنا ہونے سے پایا۔ جیسا کہ "البدایہ والنہایہ" میں حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں اسلام کا ابھی آغاز تھا حضورؐ کی معرفت جو صدیق اکبرؓ کو حاصل تھی اس کی بنا پر بار بار آنحضرتؐ سے کہتے ہیں کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں بتاؤں کہ آفتابِ رسالتؐ طلوع ہو چکا ہے اور یہ آفتابِ رسالتؐ وہ ہے جو اس سے

پہلے کبھی طلوع نہ ہوا تھا اور جب تک عالم برزخ کے اُفق پہ چلا جائے گا تو پھر دُنیا میں کبھی طلوع نہ ہوگا۔ مجھے خدا کے لیے اجازت دیں کہ میں یہ بات لوگوں کو بتا دوں۔

جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ اس وقت صرف اڑتالیس آدمی مسلمان ہوئے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے ـــــ یا ابا بکر انا قلیل ـــــ ابھی صبر سے کام لو ہم بہت تھوڑے ہیں، وہ بار بار کہتے تھے۔ حضرتؐ مجھے اجازت دیں۔

مکہ کافروں سے بھرا ہوا تھا اور حضرت ابوبکرؓ پر عشق کا شدید غلبہ تھا۔ حتّٰی کہ رسول اکرمؐ نے اجازت دے دی۔ صدیق اکبرؓ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو بتایا۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ اوّل من دعا الی اللہ و رسولہٗ "کہ ابوبکرؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لوگوں کو بلایا" فرماتے ہیں۔ اوّل من وُطِئَ وضُرِبَ فی اللہ۔ حضورؐ کی بعثت کے بعد پہلا انسان جس کو اللہ کی خاطر روندا گیا، پیٹا گیا اور لتاڑا گیا وہ صدیق اکبرؓ تھے۔ آپ غور کریں کہ اگر جنگ کے زمانے میں ہندوستان میں آدمی کھڑا ہو کر پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پر سب لوگ ٹوٹ پڑے، آپؓ کو بہت پیٹا، عتبہ بن ربیعہ نے آپ کے چہرہ مبارک پر پتھر مارے۔ آپ بے ہوش ہو گئے۔ ان کو گھر اٹھا کر لے گئے۔ بنو تمیم کا تمام قبیلہ اکٹھا ہو گیا۔ سب اس انتظار میں تھے یہ بہترین موقع ہے ابوبکرؓ کو سمجھانے کا جب اس کو ہوش آئے گا تو کہیں گے اس آدمی کے پیچھے پاگل ہو گئے، کتنے معزز آدمی تھے تم۔ اب حشر ہوا تمہارا، باز آجاؤ اور اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ صدیق اکبرؓ کو جب ہوش آیا تو سب لوگوں پہ نظر ڈالی اور پہلا فقرہ یہ فرمایا:

این رسول اللہ و کیف رسول اللہ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

"حضرتؐ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں انہیں تو کوئی گزند نہیں پہنچی؟"

ان لوگوں نے سمجھا کہ یہ شخص بالکل پاگل ہو چکا ہے تو وہ مایوس ہو گئے اور کہا اس کا SOCIAL BYCOTT کرنا چاہیئے۔

لوگ جب چلے گئے تو ام الخیر آپ کی والدہ نے کہا بیٹا روٹی تو کھالو سارے دن کے بھوکے اور پیاسے ہو اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے یہ فقرہ کہا: - اِنَّ لِلّٰهِ عَلَیَّ لَا اَذُوْقُ طَعَامًا وَلَا اَشْرَبُ شَرَابًا حَتّٰی اٰتِیَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔" ماں مجھے روٹی اچھی نہیں لگتی میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس کا ایک لقمہ نہیں کھاؤں گا۔ پانی کا گھونٹ میرے حلق سے نیچے نہیں اترے گا جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں دیکھ نہ لوں۔ یہ ام الخیر سے کہا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی سیرت بڑے غور سے پڑھا کرو۔ بڑی لطافتیں اور باریکیاں ہیں۔ اے کاش کوئی کہ ان باریکیوں کو نکالے کتنے آداب ہیں عشق کے جن کو وہ ملحوظ رکھتے تھے اور وہ تنہا ان کو ملحوظ رکھتے تھے۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ معرفت بخشی ان کی سیرت پڑھتے ہوئے۔ ان کو جو مقام صدیقیت حاصل ہوا ان میں بہت بڑا حصہ ان آداب کی لطافتوں اور باریکیوں کا ہے جو وہ بارگاہ رسالت میں ملحوظ رکھتے تھے اور بعض کو ملحوظ رکھنے میں وہ یکہ و تنہا تھے اور کوئی صحابی ان کا سہیم و شریک نہ تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دارِ ارقم میں ہیں۔ زخموں سے چور تھے۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ ذرا خبر تو کروا کہ میری بیمار پرسی کے لیے آئیں یہ نہیں کہا۔ ام الخیر کے ٹیک لگائے ہوئے اور گھسٹتے ہوئے دار ارقم میں پہنچے اس کو خلاف ادب سمجھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہیں میری عیادت کے لیے آؤ اس حالت میں بھی گھسٹتے ہوئے رسول اکرمؐ کے پاس پہنچ گئے۔ فَاَكَبَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ (وہ تمام ماؤں کی مامتا) وہ رحمۃ للعالمین۔ جب ابوبکرؓ آکر دار ارقم میں گر گئے تو رسول اکرمؐ ان پر جھک گئے۔ فَقَبَّلَهٗ - ان کو چومتے تھے۔ وَرَقَّ لَهٗ رِقَّةً شَدِيْدَةً۔ آپ پر شدید رقت طاری ہوئی۔ آپ پر گریہ طاری تھا اور صدیق اکبرؓ کو چومتے چلے جاتے تھے۔

دوستو! یہ ہے محبت کا غلبہ اس کے بغیر سلوک کا راستہ طے نہیں ہوتا۔ یہ معنی ہے علامہ اقبالؒ کے فرمان کا۔ یا رسول اللہ او نہاں و تو پیدا ئے من۔ تو ظاہر و باہر ہے تو ہمیں نظر آتا ہے۔

مستند مورخین نے لکھا ہے جب ابوبکرؓ ہجرت کے لیے چلے ہیں تو چلتے چلتے یکایک حضورؐ کے پیچھے ہو گئے، پھر یکایک ان پر کیفیت طاری ہوئی اور اُن کے آگے چلنے لگے۔ کچھ دیر تو حضورؐ چپ رہے پھر کہا ابوبکرؓ! یہ کیا کر رہے ہو کبھی آگے ہو جاتے ہو کبھی پیچھے ہٹتے ہو۔ ابوبکرؓ کہنے لگے حضورؐ جب مجھے خیال آتا ہے کہ کہیں دشمن آپ پر پیچھے سے حملہ آور نہ ہو تو آپؐ کے پیچھے ہو جاتا ہوں پھر جب خیال آتا ہے کہ دشمن آگے سے حملہ آور نہ ہو جائے تو میں آپؐ کے آگے آ جاتا ہوں تاکہ وہ مجھ کو قتل کر دیں کہیں تیر آپ کو نہ لگ جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ابوبکرؓ! تم یہ چاہتے ہو کہ میں بچ جاؤں اور تمہیں قتل کر دیا جائے، فرمایا۔ خدا کی قسم یہی چاہتا ہوں کہ آپؐ بچ جائیں اور میں قتل کر دیا جاؤں۔ مولانا ادریس کاندھلویؒ نے "سیرت المصطفےٰ" میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے تمام مستند تواریخ کے حوالے دے دیئے ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے)

کسی کے آنسوؤں پر مت جایئے، کسی کی لرزش اور کپکپی پہ جائیے۔ صدیق اکبرؓ کی محبت ایسی تھی کہ محض آنسوؤں سے اس کا اظہار ہوتا۔ آدمی کے برتاؤ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی کی محبت کا درجہ حرارت کیا ہے؟ اس لیے دوستی کو بھی ہمیشہ معاملات میں پرکھا کریں اور جانچا کریں اور معاملات میں محبت کا درجہ حرارت بڑی آسانی سے متعین ہو جاتا ہے۔ آنسوؤں پر مت جاؤ۔ بزرگوں نے کہا آنسو تو برادرانِ یوسفؑ نے بھی بہائے تھے قرآن مجید میں لکھا ہے کہ وہ عشار کے وقت آئے اور سب رو رہے تھے وجاؤا اباھم یبکون ــــ یہ نہیں فرمایا ــــ یتباکون ــــ کہ جھوٹے آنسو بہا رہے تھے۔ سچ مچ رو رہے تھے۔ لیکن ممکن کہ

گناہ کرنے سے بعد انہیں خجالت اور ندامت ہوئی ہو اور گنہگاروں کو بھی گناہ کرنے کے بعد خجالت ہوتی ہے اور آنسوان کے نکل آتے ہیں مگر آنسوؤں کے نکلنے سے کسی کے اخلاق کا پتہ نہیں چلتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں پڑھنی چاہئیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کی محبت کا ڈھنگ کیا ہے۔ کیسے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ جنھوں نے اپنا سب کچھ لٹا یا۔

جان مال — غزوات کو پڑھیں — سعد بن ربیع رضؓ غزوۂ اُحد میں دم توڑ رہے تھے۔ اس وقت ان کے قبیلے کے لوگ آتے اور کہا سعدؓ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ سعدؓ نے کہا حضورؐ کو میرا اسلام پہنچا دینا۔ لوگوں نے کہا آخری نصیحت کیا ہے؟ فرمایا کہ میرے حبیب پر جانوں کو نچھاور کرتے رہو۔

عمارہؓ بن زیاد اُحد میں دم توڑ رہے ہیں خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لے آتے ہیں اور کہتے ہیں عمارہؓ کوئی آرزو ہو تو کہو؟ حضرت عمارہؓ اپنے زخمی جسم کو گھسیٹ کر قدموں پر رکھ دیتے ہیں اور وہیں جان دے دیتے ہیں منہ سے کچھ نہیں کہتے۔ گویا بزبانِ حال یہ کہہ رہے ہیں کہ کوئی آرزو ہے تو یہی کہ میرا سر ہو اور آپ کے قدم ہوں۔

چہ نازِ رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے

کہ وقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

عارف نے کہا۔ اس شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ دُنیا سے جا رہا ہو اور اس کا محبوب اس کے سر پہ کھڑا ہو اور پوچھ رہا ہو کہ بتاؤ تیری کیا آرزو ہے؟

عورتوں تک کا یہ حال تھا۔ غزوۂ اُحد میں ایک عورت تھی جس کو یہ خبر ملی کہ تیرا باپ شہید ہو گیا۔ تیرا خاوند شہید ہو گیا۔ تیرا بھائی شہید ہو گیا۔ تینوں لاشے پڑے ہیں وہاں سے اٹھوا لو۔ وہ پوچھتی تھی کہ حضورؐ کا کیا حال ہے؟ حضورؐ ٹھیک ہیں؟ اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور پر نظر پڑی تو فقرہ منہ سے نکلا۔ جسے ہر مستند مؤرخ نے نقل کیا ہے — اس نے وجد میں آکر کہا — کل مصیبۃٍ

بعد لک جلال — یہ فقرہ لافانی ہو گیا — آپ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ معنی ہیں کہ حضورؐ کی محبت سب محبتوں پر غالب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ توفیق عطا فرمائیں کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو جائے۔ یہ سب ان کی دین ہوتی ہے، یہ عطا ہے۔ یہ بخشش ہے، وہ ہمارے سینوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت سے معمور فرمائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ہ

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

قرآن مجید کے صوری اور معنوی محاسن

(اجمالی جائزہ)

ابوبکر غزنوی
صدر شعبۂ علوم اسلامیہ انجنیرنگ یونیورسٹی ۔ لاہور

☆

فاران اکیڈمی
غزنی سٹریٹ ۞ اردو بازار لاہور

قاسم محمود

فاران اکیڈمی ۱۷۔ اردو بازار لاہور نے

باجازت ورثائے سید ابوبکر غزنوی مرحوم شائع کی

اشاعت ثانی : جولائی ۱۹۹۵

تعداد اشاعت: ۶۰۰

قیمت :

۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جب ہم کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو باتیں دو ہی ہیں جن کا ہم جائزہ لیتے ہیں :۔

(۱) صوری محاسن یعنی اسلوب کیسا ہے ؟ ترکیبیں اور بندشیں کیسی ہیں ؟ مفہوم کی ادائیگی کے لیے الفاظ کا چناؤ کیسا ہے ؟ صنائع اور بدائع کی پختگی اور رعنائی کا کیا حال ہے ؟

(۲) دوسری بات ہم یہ جانچتے ہیں کہ ان مطالب اور معانی کا وزن کیا ہے جن کے لیے صورت (FORM) کے یہ سانچے طیار کیے گئے ہیں ۔

پہلے ہم قرآن مجید کے صوری محاسن کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں ۔

قرآن مجید کے صوری محاسن

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کی بلاغت پر جو کتابیں ہمارے اسلاف نے لکھیں وہ ایک گراں بہا سرمایہ ہیں ۔ خطّابی ، رمّانی ، باقلّانی ، عبدالقاہر جرجانی اور بعض دوسرے علماء نے قرآن مجید کی بلاغت پر جو کام کیا قابل تحسین ہے ۔ لیکن ہر دور کا ایک انداز فکر ہوتا ہے ۔ زبان اور ادب کی بحثیں ہر زمانے میں مختلف ہوتی ہیں ۔ مجھے جو کچھ کہنا ہے اسی دور اور اسی ماحول میں تعلیم و تربیت پانے والے زبان و ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہنا ہے ۔

حشو و زوائد سے پاک ہے

تنقید کی کتابوں میں ہم نے پڑھا تھا کہ ہر لفظ جو ہم لکھیں یا بولیں اس کی کوئی مقصدیت اور افادیت ہونی چاہیے اور ایک ہی مفہوم کی ادائیگی کے لیے مترادف لفظوں کی بے سبب بھرمار کرنا تخیل کی رفتار سست ہونے کی علامت ہے ۔ قرآن مجید کا مطالعہ اس انداز سے کیا تو حیرت ہوئی کہ

اسلوب کے وہ محاسن جو اہل علم بڑی مغزپاشی کے بعد آج مرتب کر رہے ہیں ، وہ تمام محاسن قرآن مجید میں بطریق احسن موجود ہیں ۔ قرآن مجید کو بسم اللہ سے و الناس تک دیکھا ۔ اس میں کوئی فالتو لفظ نظر نہیں آیا ۔ وہ حشو و زوائد سے یکسر پاک نکلا ۔ قرآن مجید نے جہاں کہیں ایک سے زائد لفظ استعمال کیے ہر لفظ مختلف مفہوم کی ادائیگی کے لیے استعمال کیا ۔ مثلاً فرمایا :

تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا ۔ (حم السجدہ : ۳۰)

(فرشتے انؒ پر اترتے ہیں اور یہ القا کرتے ہیں کہ تم خوف نہ کھاؤ اور غم نہ کرو)

یہاں جو الاتخافوا کے بعد ولاتحزنوا کہا تو اس لیے کہ دونوں لفظوں کا مفہوم مختلف ہے ۔ خوف اور چیز ہے اور حزن اور چیز ہے ۔ خوف یہ ہے کہ مستقبل میں کسی آفت کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے ۔ پھر لفظ غم خوشی کے مقابل بولتے ہیں اور خوف اطمینان کی ضد ہے ۔ کسی عزیز کے فوت ہونے پر جو کیفیت ہوتی ہے ، اسے غم کہتے ہیں ، خوف کوئی نہیں کہتا ۔ اگر کسی کا بچہ منڈیر پر چڑھا ہوا ہو اور اس کے گر جانے کا خدشہ ہو ، تو اسے عربی میں خوف سے تعبیر کریں گے اور اسے غم کہنا بالکل غلط ہوگا ۔ خوف اور غم میں حد فاصل یوں بھی کھنچتی ہے کہ عین مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے غم کہتے ہیں اور خوف اس وقت ہوتا ہے جب مصیبت کی آمد آمد ہو ۔ پس قرآن مجید میں جہاں کہیں دو یا دو سے زائد لفظ اظہار مطلب کے لیے آئے ہیں ، ہر لفظ کی معنویت اور افادیت جدا ہے ۔

جی میں وسوسہ آیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں الرحمان اور الرحیم دو لفظوں کی ضرورت کیا تھی ! محض الرحمان یا الرحیم کہنے سے کیا بات مکمل نہیں ہو جاتی ؟ لغت کی مستند کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ رحمان اور رحیم کا مفہوم جدا ہے رحمان فعلان کا وزن ہے اور یہ وزن امتلا کے لیے آتا ہے اور رحیم فعیل کا وزن ہے اور یہ وزن ظہور کے لیے آتا ہے ۔ پس رحمان کے معنی یہ ہوئے کہ وہ رحمت کا منبع ہے وہ رحمت کا سرچشمہ ہے اور رحیم کے معنی یہ ہوئے کہ اس کی رحمت کا ظہور اس

کائنات میں دمبدم اور پیہم ہو رہا ہے ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کہیں کہ فلاں شخص کے پاس دولت بہت ہے اور وہ خرچ بھی بے دریغ کرتا ہے ۔ رحمان اور رحیم میں سے کوئی لفظ بھی حذف ہوتا ، تو بات ادھوری رہتی ۔

کلام کا حشو و زوائد سے پاک ہونا جسے تنقید کی بولی میں (ECONOMY OF WORDS) کہتے ہیں قرآن مجید سے سیکھئے ۔ افسوس کہ اکثر علماء کرام کی طبیعت پر اسلوب قرآن کا اثر الٹا ہوا ۔ حشو و زوائد کا استعمال سب سے زیادہ منبر پر ہونے لگا ہے ۔ جہاں ایک لفظ کی ضرورت ہو وہاں دس لفظ بولتے ہیں ۔

"وہ غریب ہیں اور مفلس ہیں اور قلاش ہیں اور نادار ہیں اور POOR ہیں ۔"

اگر خطیب پانچ جماعت پڑھے ہوئے ہوں تو ساتھ POOR کا لفظ بھی ٹانک دیتے ہیں ۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

(بارش کی لطافت میں کسے اختلاف ہو سکتا ہے ۔ اسی بارش سے باغ میں لالہ و گل ، سرو و سمن اور سنبل و ریحان پیدا ہوتے ہیں اور یہی بنجر زمین پر پڑتی ہے تو گھاس پھونس کے سوا کچھ پیدا نہیں ہوتا ہے ۔)

الفاظ کا صوتی تاثر (SOUND EFFECT)

قرآن مجید میں ایسے الفاظ لائے گئے ہیں کہ ان کا صوتی تاثر ان کا مفہوم سمجھا دینے والا ہوتا ہے ۔ یعنی محض ان کے بولنے سے ان کے معانی کی صوتی تصویر کھنچ جاتی ہے چند مثالوں سے بات واضح کرتا ہوں ۔

(۱) قرآن مجید میں ہے :

یوم یدعّون الی نار جھنم دعّا ۔

(جس دن وہ دوزخ کی آگ میں جھونک دیے جائیں گے)

دعّا دینے کے لیے عربی میں اور الفاظ بھی ہیں ۔ یوں بھی کہا

جاسکتا تھا : یوم یدعون الی نار جھنم دفعا ۔ مگر اس سے دھکا دینے کا صوتی تاثر پیدا نہیں ہوتا ہے ۔ یدعّون الی نار جھنم دعّا پڑھتے ہوئے تو دھکّا دینے کی آواز سنائی دیتی ہے ۔ جیسے دھکّا دیا جائے اس کے گلے سے جو آواز نکلتی ہے دعّا میں تو اس کا بھی صوتی تاثر آ گیا ہے ۔

(۲) یہ آیت ملاحظہ کیجیے ۔

کلا اذا دکّت الارض دکّا دکّا ۔ الفجر : ۲۱

آپ عربی چاہے نہ جانتے ہوں ، یہ آیت سنتے ہوئے بھونچال کی سی کیفیت تو ہر شخص محسوس کرتا ہے ۔ اس آیت کو پڑھتے ہوئے دیواروں کے باہم ٹکرانے کی آواز سنائی دیتی ہے ۔

(۳) **یا ایہاالذین امنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاّ قلتم الی الارض ۔** التوبہ : ۳۸

(اے ایمان والو ! تمہیں کیا ہوگیا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو ، تم زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو ۔)

اس آیت میں 'اثاقلتم' سنتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بوجھل انسان زمین پر گر گیا ہو اور اس سے اٹھایا جاتا ہو ۔ یہاں تثاقلتم نہیں کہا کہ اس سے صوتی تاثر برباد ہوتا ہے ۔

(۴) **عتُلّ بعد ذالک زنیم ۔** ن : ۱۳

(وہ اکھڑّ ہے ۔ اس کے علا وہ بداصل بھی ہے)

عُتُلّ کا لفظ اکھڑ پن کی تصویر کھینچ رہا ہے ۔

کبھی ایک حرف کی تکرار سے قرآن مجید میں صوتی تاثر پیدا کیا گیا ہے ۔ مثلاً سورۃ الناس دیکھیے ۔ اس کی THEME وسوسہ اندازی ہے ۔ حرف سین کی تکرار سے پوری سورت میں وسوسہ اندازی کی ایک فضا پیدا کردی گئی ہے ۔

قل اعوذ برب الناس ۔ ملک الناس ۔ الہ الناس ۔ من شرالوسواس

ے

الخناس ۔ الذی یوسوس فی صدورالناس ۔ من الجنة والناس ۔

سورت پڑھتے ہوئے اول سے آخر تک یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی سرگوشیاں کر رہا ہے اور یہ بات حرف سین کی تکرار سے پیدا ہوئی ہے ۔

قرآن مجید کا آہنگ

قرآن مجید کی صوری رعنائیوں میں سے ایک ابھری ہوئی رعنائی قرآن مجید کا اسلوب ہے اور اس کے اسلوب کی سب سے ابھری ہوئی خصوصیت اس کا آہنگ ہے — اس کے اسلوب کی موسیقیت ہے ۔ قرآن کا آہنگ کانوں میں رس گھولتا ہے ۔ یہ آہنگ کن عناصر سے ترکیب پایا ہے ؟ یہ ایک تفصیل طلب بات ہے اور اس مختصر مقالے میں اس کی گنجائش نہیں ۔

فرخندہ شبے باید و خوش مہتابے

تابا تو حکایت کنم از ہر بابے

ایک بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انسان نے بحورو اوزان کے جتنے سانچے شعر کے لیے تراشے قرآن کا اسلوب ان سب سے ہٹا ہوا ہے وہ کسی بحر میں نہیں ہے ۔ نہ طویل نہ بسیط نہ رجز نہ رمل ۔ شاید آپ کے جی میں خیال آئے کہ نظم آزاد کا قالب بھی تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے اور نظم آزاد بھی تو شاعری ہی کی ایک صنف ہے ۔ پھر یہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ قرآن شعر کی کتاب نہیں ہے ۔ جی میں یہ خیال نظم آزاد کی حقیقت سے ناواقفیت ہی کی بنا پر آ سکتا ہے ۔ نظم آزاد گو ایک بحر میں نہیں ہوتی ہے اور ہر مصرعہ جدا بحر میں ہو سکتا ہے لیکن ہر ہر مصرعہ باوزن ہوتا ہے ۔ ایسا تو نہیں ہوتا کہ نظم آزاد کا کوئی مصرعہ سرے سے وزن ہی سے خارج ہو۔ قرآن مجید میں چند آیتوں کے سوا بسم اللہ سے و الناس تک تمام آیتیں انسان کے تراشے ہوئے اوزان سے ہٹ کر ہیں ۔ پس نظم آزاد کا اطلاق بھی قرآن مجید پر نہیں ہوتا ہے ۔

یہ ٹھیک ہے کہ قرآن مجید کی چند آیتیں باوزن ہیں مثلاً :

هیہات هیہات لماتوعدون ۔ المومنون : ۳۶

یا دانیة علیهم ظلالها و ذلّلت قطوفها تذلیلا ۔ الدهر : ۱۴

www.KitaboSunnat.com

لیکن چند آیتوں کے باوزن ہونے کی بنا پر قرآن مجید کو شعر کی کتاب نہیں کہا جا سکتا ۔ کبھی نثر نگار کے قلم سے اور مقرر کی زبان سے بھی بعض فقرے باوزن نکل جاتے ہیں ۔ جیسے اعجاز القرآن میں باقلّانی نے مثال دی ہے کہ کبھی ایک عامی کی زبان سے بھی نکل جاتا ہے :

اسقني الماء يا غلام سريعاً[۱] (او لڑکے ! پانی جلدی سے پلاؤ) یہ قول باوزن ہے لیکن اس عامی کو شاعر کوئی نہیں کہتا ۔

مجھے یاد ہے کہ یونیورسٹی کی ایک تقریب کے اختتام پر مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں نے کہا : یہ بندۂ فقیر سراپا سپاس ہے ۔ حاضرین مجلس میں ایک شاعر بھی تشریف فرما تھے وہ جھٹ سے بول اٹھے کہ یہ تو مصرعہ ہوگیا ، لیکن چونکہ ساری بات میں نے نثر میں کی تھی ۔ اس ایک جملے کے باوزن ہونے کی بناء پر کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ میں نے شعروں میں گفتگو کی ہے ۔ پس قرآن مجید کے تیس پاروں میں سے گنتی کی چند آیتوں کے باوزن ہو جانے کی بناء پر قرآن مجید کو شعر کی کتاب نہیں کہا جا سکتا ۔ خود قرآن مجید میں بھی ہے

و ما علّمنه الشعر و ما ينبغي له ۔ یسین : ۶۹

(ہم نے انھیں شاعری نہیں سکھائی اور ان کی شان کے وہ شایاں بھی نہ تھی)

اگلا سوال ایک طالب علم کے ذہن میں یہ ابھرتا ہے کہ اگر قرآن مجید شعر کی کتاب نہیں ہے تو کیا وہ نثر کی کتاب ہے ؟ نثر کا آہنگ تو ایسا نہیں ہوتا ہے ۔ نثر میں یہ موسیقیت تو نہیں ہوتی ہے ۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بجا کہا تھا ۔

" القرآن ليس بشعر و ليس بنثر بل القرآن قرآن "

قرآن مجید شعر کی کتاب نہیں ہے ۔ قرآن مجید نثر کی کتاب نہیں ہے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ ہم کہیں قرآن قرآن ہے ۔ اس کا اسلوب منفرد ہے ۔ اس کا آہنگ انوکھا اور اچھوتا ہے جیسے خدا اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے یکتا ہے ۔ اس کا اسلوب بھی یکتا ہے ۔ **لاندله**

---

۱ ۔ صفحہ ۸۳ ۔

ولا نظیرله ولا مثال له

قرآن مجید کے آہنگ پر جو کچھ حضرت شاہ ولی اللہ ؒ نے الفوز الکبیر کے تیسرے باب میں لکھا ہے ان کی ذہانت اور عبقریت کی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے ۔ سید احمد شرباصی ؒ نے بھی قرآن کے آہنگ پر کچھ کام کیا ، مگر سید قطب شہید ؒ نے اپنی کتاب "التصویر الفنی فی القران" میں جن لطافتوں اور باریکیوں کو اجاگر کیا وہ انھی کا حصہ تھا ۔ افسوس کہ اقتدار کے بے رحم ہاتھوں نے ان کی عبقریت سے امت ِ مسلمہ کو محروم کیا ۔

معنوی محاسن

مستقل اخلاقی قدروں کا پرچار

قرآن مجید مستقل اخلاقی اور روحانی قدوریں Ethical and spiritual Values کا پرچار کرتا ہے ۔ مستقل اخلاق قدروں سے میری مراد وہ قدریں ہیں جو زمان و مکان (Time and Space) کے اختلاف سے بدلتی نہیں ہیں ۔ وہ ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو تمام اقوام و ملل کے لیے قابل عمل ہے ۔ قرآن مجید ایسی قدروں کی تلقین کرتا ہے جو سعودی عرب ہی میں باقی اور زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہیں بلکہ افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اور سوئٹزر لینڈ کی منجمد فضاؤں میں یکساں زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور زمانے کی لنبان گو کتنی آگے کو بڑھ جائے وہ قدریں زندہ اور باقی رہتی ہیں ۔ یہ مستقل اخلاقی اقدار جوہر ِ دین ہیں ۔ جیسے اس مادی دنیا کے کچھ قوانین ہیں جو زمان و مکان کے اختلاف سے بدلتے نہیں ہیں بالکل اسی طرح ہماری روح کی بیماری اور تندرستی کے بھی کچھ قوانین ہیں جو زمان و مکان کے اختلاف سے بدلتے نہیں ہیں ۔ جسم جب سے معرض وجود میں آیا ہے آگ جسم کو جلاتی ہے اور ہر زمانے میں اور ہر خطۂ زمین میں آگ جسم کو جلاتی رہی اور زہر ہمیشہ اور ہر جگہ اس کے لیے ہلاکت آفریں ہے ۔ جیسے اس جسم کے لیے اصول حفظان صحت ہیں جو زمان و مکان کے اختلاف سے بدلتے نہیں ہیں ، بالکل اسی طرح ہماری ارواح کی صحت کے بھی کچھ اصول ہیں اور جب سے یہ ارواح معرض وجود میں آئی ہیں اور جب تک اس جہان ِ آب و گل میں ہیں

ان کے اصول حفظان صحت میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا ۔ کچھ باتیں ہیں جن کے کرنے سے ہماری روح کی صحت بگڑتی ہے اور کچھ باتیں ہیں جن کے کرنے سے ہماری روح کی صحت سنورتی ہے ۔ ہم انھیں مستقل اخلاق قدروں سے تعبیر کرتے ہیں ۔ یہی وہ جوہر دیں ہے جس کا پرچار تمام انبیاء کرتے رہے اور انھی اقدار کو قرآن مجید نے جامع، مفصل اور آخری ارتقائی صورت میں پیش کیا ۔ حضور علیہ الصلواۃ و السلام نے پہلے انبیاء کی تعلیمات کی تردید نہیں کی ان کی تصدیق اور توضیح کی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

مصدقاً لمابین یدیہ ۔ البقرہ : ۹۷

(وہ اپنے سابقہ انبیاء کی تصدیق کرنے والے تھے)

اور کہا : "ما کنت بدعاً من الرسل ۔" الاحقاف : ۹

(آپ کوئی انوکھے پیغمبر نہیں ہیں)

وہ مستقل اور روحانی اقدار جن کا پرچار قرآن مجید نے کیا دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں ۔

حقوق اللہ

اللہ کے حقوق یہ ہیں کہ اس کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو ۔ انسان اس کی محبت سے سرشار ہو ۔ اس کی عبادت کا ذوق پیدا ہو ۔ اس کے حضور میں بیٹھنے کا ڈھنگ آ جائے ۔ اس کے ساتھ تعلق استوار ہو اور اس کی بندگی اور چاکری کا ذوق انسان کے رگ و ریشے میں رچ بس جائے ۔

حقوق العباد

فیضان الٰہی سے سرشار ہو کو اس کی مخلوق کی خدمت بجا لائے اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرے ۔ انبیاء اور اہل اللہ کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ ذکر اللہی کی خاطر گوشہ نیشنی و خلوت گزینی ، مخلوق اللہی کی خدمت کا ایک سچا اور شدید جذبہ انسان میں ابھارتی ہے اور مخلوق اللہی کے لیے انسان کے اندر ایک ماںتا کو جنم دیتی ہے ۔ حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر چالیس راتوں کی عبادت کے بعد بنو اسرائیل کو بھر پور فیضان بخشا ۔ حضور اقدس علیہ الصلواۃ و السلام غار حرا سے نکلے تو بنی نوع انسان کو بے پناہ مادی اور روحانی فیضان بخشا اور ان کی پیاسی روحوں کو سیراب کیا ۔ قرآن مجید نے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے تمام قرینے انسان کو سکھائے ۔

صفات الٰہی

قرآن مجید نے انسان کو اللہ کی تمام صفات تنزیہیہ اور ایجابیہ کی معرفت بخشی - قرآن مجید نے انسان کو صفات الٰہی کا تمام صحف آسمانی سے زیادہ مفصل اور جامع تصور بخشا - اس نے ہمیں بتایا کہ وہ :

الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر -

ہے - یعنی وہ بادشاہ ہے ، وہ خدا وند قدوس ہے ، وہ سلامتی اور امن دینے والا ہے ، وہ نگہبان ہے ، وہ غالب اور دبدبے والا ہے اور کبریائی اسی کو زیبا ہے - - - اس نے ہمیں بتایا کہ وہ "**الخالق الباریء المصور**" ہے ، وہ خالق کائنات ہے ، وہ موجد کائنات ہے ، وہ صورت گر موجودات ہے - قرآن نے صفات الٰہی کے تمام سلبی اور ایجابی پہلوؤں کو آجاگر کیا -

ذات الٰہی کا تصور

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا جو تصور بخشاوہ بہت لطیف ہے - قرآن نے کہا !

لاتدرکه الابصار و هو یدرک الابصار - الانعام : ۱۰۳

(انسان کی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتی ہیں - وہی ہے جو آنکھوں کا ادراک کرتا ہے)

ذہن اپنا سواد (DATA) حواس ہی کے ذریعے اکٹھا کرتا ہے - جب اس کی ذات حواس کی گرفت میں نہیں آتی ہے ، تو ذہن اسے تصور میں کیوں کر لاسکتا ہے - پھر "**لیس کمثله شیئی**" (اس جیسی تو کوئی چیز نہیں) کہہ کر تشبیہہ کے سب دروازے بھی بند کر دیے اور "**لا تضربوا للہ الامثال**" (النحل : ۷۴) کہہ کر حکماً بند کر دیا کہ یہ بھی مت کہو کہ وہ ایسا ہے ، وہ اس جیسا ہے - اس جیسا تو کوئی نہیں - اگر قرآن صرف اتنی بات کہتا تو انسان محسوس کرتا کہ اس کے ذہن کے اٹکاؤ کے لیے کوئی سہارا باقی نہیں چھوڑا - مگر اس نے ساتھ ہی کہا :

انی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعانی - البقرہ : ۱۸۶

میں تو تیرے قریب ہوں تو مایوس کیوں ہوتا ہے - میں تو ہر

پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں ۔

اور کہا : " **هو معكم اين ما كنتم** "

(تم جہاں بھی جاتے ہو میں تو تمہارے ساتھ ساتھ ہوتا ہوں)

پھر زیادہ وضاحت سے کہا :

نحن اقرب اليه من حبل الوريد ۔ ق : ۱۶

(ہم تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہیں)

اس قدر ناقابل ادراک ہونے کے باوجود خدا کی انسان کے ساتھ اس معیت و اقربیت میں ایک فنی حسن نظر آتا ہے ۔ جیسے ایک فارسی کے شاعر نے کہا :

بامن آویزش او الفت موج است و کنار
دمبدم بامن و هر لحظه گریزاں از من

(میرے ساتھ اس کا لپٹنا یوں ہے جیسے دریا کی موج کنارے سے لمس کر کے لوٹ آتی ہے ۔ وہ ہر لحظہ میرے ساتھ ہے اور جب میں اس کا دامن تھامنے لگتا ہوں ، تو وہ میرے ہاتھ نہیں آتا ۔)

قرآن مجید کی اس آیت نے آتش شوق کو اور بھی بھڑکا دیا کہ :

ان ربک لبالمرصاد ۔ الفجر : ۲۱

(بلاشبہ تیرا پروردگار تو تجھے ہر دم جھانک لگائے تاک رہا ہے)

قرآن مجید نے بتایا کہ گو اس کی ذات انسانی ذہن کی گرفت میں نہیں آتی اور جو تصور بھی ذہن میں لائیں گے ۔ وہ بت ہوگا خدا نہ ہوگا ، مگر اس کا حضور ، اس کا لمس ، اس کا اتصال تو دم بدم ہمیں محسوس ہونا چاہیے جیسے مولائے رومؒ نے کہا :

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس

(انسانوں کے پروردگار کا ان کی روح سے ایسا تعلق اور رابطہ ہے جس کی کیفیت بیان اور قیاس سے باہر ہے ۔)

مکمل ضابطۂ حیات

قرآن مجید کی تعلیم و ہدایت زندگی کے ہر شعبے میں دلیل راہ ہے۔ اس نے سیاسی اعتبار سے یہ تلقین کی کہ **شاورھم فی الامر** اور **امرھم شوریٰ بینھم** یعنی باہم مشورے سے امور مملکت طے کرو۔ قرآن مجید نے اصول معاشیات بھی بیان کیے۔ اس نے ارتکاز دولت کو بد ترین جرم قرار دیا۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ، یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم و جنوبھم و ظھورھم ھذا ماکنزتم لانفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون۔

التوبہ : ۳۴ - ۳۵

(جو لوگ معاشرے کا خون چوستے ہیں اور سرمایہ سمیٹتے ہیں اور اللہ کی خاطر معاشرے پر اسے خرچ نہیں کرتے ، انھیں درد ناک سزا کی خبر دو جس روز دوزخ کی آگ میں اسے گرم کیا جائے گا اور اسی دولت سے ان کی پیشانیاں ، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھ داغی جائے گی - یہی ہے وہ دولت جو تم اپنے لیے سمیٹ سمیٹ کر رکھتے تھے - پس دولت سمیٹنے کا مزہ چکھو۔)

وہ ہمیں خبردار کرتا ہے :

کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ الحشر : ۷

(ایسا نہ ہو کہ دولت صرف سرمایہ داروں ہی میں گردش کرتی رہے)

تہذیب و شائستگی

قرآن ہمیں تہذیب اور شائستگی بھی سکھاتا ہے۔ اس نے ہمیں سلام کرنے کا ڈھنگ بھی سکھایا۔

و اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا اوردوھا۔ النساء : ۸۶

اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم زیادہ تپاک اور گرمجوشی سے سلام کا جواب دو اور اگر کسی عذر کی بنا پر ایسا نہ کر سکو ، تو کم از کم اتنا تو ضرور لوٹا دیا کرو۔

اُس نے ہمیں چلنے کا سلیقہ بھی سکھایا :

لا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا ۔ لقمان : ۱۸

زمین پر اکڑتے ہوئے مت چلو ۔ بلاشبہ اس متکبرانہ چال سے تم نہ تو زمین میں شگاف ڈال سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کے برابر لانبے ہو سکتے ہو ۔ یعنی اس عظیم کائنات میں اپنی حقیقت کو پہچانو ، پھر سوچو کہ کیا یہ چال تمھیں زیبا ہے ۔

قرآن مجید نے گفتگو کا طریقہ بھی سکھایا :

و اغضض من صوتک ، ان انکر الاصوات لصوت الحمیر ۔ لقمان : ۱۹

یعنی بات کرتے ہوئے آواز کو دھیما رکھا کرو ، گدھوں کی آواز یقیناً نہایت بھدی اور بھونڈی ہوتی ہے ۔

جہاں زندگی کے اہم سے اہم امور میں رہنمائی فرمائی ۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی خیر کی راہ سجھائی ۔ تلقین کی کہ دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوا کرو ۔

یا ایھاالذین آمنو الاتد خلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا و تسلموا علیٰ اھلھا ۔ النور : ۲۷

(اے ایمان والو ! اپنے گھروں کے علاوہ اوروں کے گھروں میں اطلاع دیے بغیر اور سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو) ۔

محفل میں بیٹھنے کے آداب بھی اس لافانی کتاب نے سکھائے :

انما النجوی من الشیطن لیحزن الذین امنوا ۔ المجادلہ : ۱۰

(سرگوشی پر شیطان ہی اُکساتا ہے تاکہ وہ مسلمان کو رنجیدہ کرے) ۔

اگر دو آدمی مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیاں کریں ، تو دوسروں کے جی میں خیال آتا ہے کہ شاید ہماری نسبت کچھ کہہ رہے ہیں ۔ کم از کم یہ گمان تو ہوتا ہی ہے کہ انھوں نے ہمیں اس قابل نہ سمجھا کہ اپنی اس رازداری کی گفتگو میں شریک کریں ۔ چونکہ اہل مجلس کو اس سے خفت ہوتی ہے اس لیے قرآن مجید نے مجالس میں بیٹھ کر سرگوشیوں سے باز

رہنے کی تلقین کی - مختصر یہ کہ یہ لافانی کتاب آداب معاشرت کی لطافتوں اور باریکیوں سے بھی آگاہ کرنے والی ہے -

جہاد و قتال کا سلیقہ

بزم ہو یا رزم ہو ، صلح ہو یا جنگ ہو - یہ کتاب ہر حال میں مشعل راہ ہے -

یا ایہا الذین اٰمنوا اذالقیتم الذین کفرو از حفاً فلا تو لوھم الادبار و من یو لھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزاً الیٰ فئۃ فقد باء بغضب من اللہ و ما واہ جہنم و بئس المصیر -

الانفال : ۱۵ : ۱۶

(اے ایمان والو ! جب کافروں سے تمھاری ٹکر ہو ، تو پیٹھ مت دکھاؤ اور جو شخص اس وقت کافروں کو پیٹھ دکھائے گا - بھاگنے کی نیت سے ، اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے) -

قرآن مجید نے جنگ اور قتال کا ایک واضح مقصد بیان کیا :

وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ و یکون الدین للہ - الانفال : ۳۹

(تم ان سے لڑتے رہو حتیٰ کہ فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہو جائے اور اطاعت اللہ ہی کی ہونے لگے اور اسی کا آئین نافذ ہو -)

یہ کتاب واقعی تبیاناً لکل شی ہے - یہ تعزیرات کی کتاب بھی ہے - اس میں جرموں کی سزائیں بھی لکھی ہیں - اس میں چور کا ہاتھ کاٹنے اور زانی کو درے لگانے کے احکامات بھی ہیں - اس میں قانون وراثت کی تفصیلات بھی ہیں - پھر اس میں تبلیغ کے آداب بھی لکھے ہیں -

اُدع الی سبیل ربک با الحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ - النمل : ۱۲۵

(یعنی اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت اور سلیقے سے بلاؤ اور بھلے انداز میں نصیحت کرو) -

جمالیات

یہ کتاب جو زندگی کے ہر ہر پہلو پر روشنی ڈالتی ہے ، زندگی کے

جمالیاتی پہلو کو بھی اجاگر کرتی ہے ۔ قرآن مجید کے نظریۂ حیات میں جمالیات کو ایک مقام حاصل ہے ۔ وہ لباس کو ستر کے علاوہ زینت بھی قرار دیتا ہے ۔

یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم و ریشا ۔

الاعراف : ۲٦

(اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس فراہم کیا جو تمہارے پردے کی جگہوں کو چھپاتا ہے اور زینت کا سامان بھی ہے ۔)

قرآن مجید تو ہم سے یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ جب ہم خدا کے حضور جائیں تو سنور کر جائیں ۔

خذوا زینتکم عند کل مسجد ۔ الاعراف : ۳۱

(ہر نماز کے وقت سنور کر جایا کرو)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآنی نقطۂ نظر سے مقصدیت (Functionalism) اور افادیت (Utilitarianism) ہی کو اولیت حاصل ہے لیکن مقصدیت اور افادیت کے ساتھ ساتھ جمالیاتی پہلو کا ذکر بھی قرآن بار بار کرتا ہے ۔ مثلاً سورۃ النحل میں دیکھیے ۔ بہائم کی افادیت کا ذکر پہلے کیا اور پھر ساتھ ہی کہا کہ صبح اور شام کے دھندلکے میں مویشیوں کا چلتا ہوا گلہ تمہارے لیے ذوق نظر کا سامان بھی ہے ۔

والانعام خلقها لکم فیها دفء و منافع و منها تاکلون ۔ و لکم فیها جمال حین تریحون و حین تسرحون ۔

النحل : ۵ - ٦

(اسی نے تمہارے لیے چوپایوں کو پیدا کیا جن کی اون تمہیں گرم رکھتی ہے اور ان کے اور بھی کئی فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور جب شام کے وقت تم انہیں چرا کر گھر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو چرانے لے جاتے ہو تو ان میں تمہارے لیے ایک حسن اور رعنائی بھی ہے ۔)

یہ قرآن جو کائنات کے جمالیاتی پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے ۔ خود بھی تو اپنے اسلوب اور آہنگ کے اعتبار سے حسن و جمال کا ایک عظیم شاہکار ہے ۔

سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کی سیرت طیبہ پر سب سے مستند کتاب ہے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا تھا : ''کان خلقہ القرآن'' آپ کا کردار قرآن مجید تھا۔ حضرت عائشہؓ نے بات بڑی ہی جامع اور بلیغ کہی۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں آپ کا ذکر ہے وہ تو آپ کا ذکر ہے ہی اور نگاہِ معرفت سے دیکھیے تو اور انبیاء کا ذکر جو قرآن مجید میں ہے، بالواسطہ وہ بھی آپ ہی کی حکایت۔ تمام انبیاء کے محاسن اور شمائل آپ کی ذات گرامی میں سمٹ آئے تھے۔ قرآن مجید حسن یوسفؑ بیان کرے یا دم عیسیٰؑ کی بات کرے یا ید بیضا کا ذکر کرے، حقیقت میں اسی آفتاب صلی اللہ علیہ وسلم کی کرنوں کی حکایت۔ پھر یہ اوامر، یہ نواہی، یہ مواعظ، یہ امثال و حکم کیا ہیں؟ یہ وہی ہیں جن کی آپ تفسیر مجسم تھے۔ قرآن مجید نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حضور علیہ الصلواۃ والسلام یہ کام کرتے رہے اور قرآن نے جن برائیوں سے بچنے کی تلقین کی ہے، ہم یقین اور قطعیت سے کہہ سکتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰاۃ والسلام ان کاموں سے اجتناب کرتے رہے۔ پس نگاہ معرفت سے دیکھیے تو بسم اللہ سے لے کر والناس تک تمام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکایت۔ حضرت بو علیؒ کا شعر یاد آنے لگا :

مصحفے را ورق ورق دیدم
ہیچ سورت نہ مثل صورت اوست

میں نے مصحف کا ایک ایک ورق دیکھا ہے۔ کوئی سورت بھی تو ان کی صورت جیسی نہیں۔ یعنی کوئی سورت بھی تو تنہا ان کی تصویر نہیں کھینچتی ہے۔ تیس پارے جوڑنے سے ان کی ایک تصویر بنتی ہے۔

و اخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین و الصلواۃ و السلام علیٰ سید المرسلین۔

مراجع

۱- دلائل الاعجاز ـ امام عبدالقاہر جرجانی ، مطبع السعادۃ ، مصر

۲- اعجاز القرآن ـ ابو بکر محمد بن الطیب الباقلانی ، مطبع دارالمعارف ، مصر

۳- التصویر الفنی فی القرآن ـ سید قطب ، مطبع دارالمعارف ، مصر

۴- فی ظلال القرآن ـ سید قطب ، مطبع احیاء التراث العربی ، بیروت

۵- مشاہد القیامۃ ـ سید قطب ، دارالمعارف ، قاہرہ ، مصر

۶- مقدمہ ترجمان القرآن ـ مولانا ابوالکلام آزاد ، مطبع ساھتیہ اکادمی ، نئی دہلی

۷- غبار خاطر ـ مولانا ابوالکلام آزاد ـ مطبع ساھتیہ اکادمی ، نئی دہلی

۸- فی الادب الجاہلی ـ طٰہ حسین ـ دارالمعارف ، قاہرہ ، مصر

۹- دیوان حضرت بوعلی قلندرؒ ـ اشرف برق پریس ـ سیالکوٹ

۱۰- رسائل خطّابی مطبع ، دارلمعارف ، مصر

۱۱- رسائل رمّانی مطبع ، دارالمعارف ، مصر

12. The Quran Interpreted by Arthur, J. Arberry, Macmillan Company, New York.

13. Shakespere's Imagery by Caroline F. E. Suprgeon University Press, Cambridge.